جمعۃ الوداع 27 رمضان المبارک 1366

15 اگست 1947

تخلیق پاکستان

پر

مہربانی کی چھاپ

TARIQ MAJEED
Commodore PN (Retd)

تخلیقِ پاکستان
پر
مہرِ ربّانی کی چھاپ

طارق مجید
کموڈور بحریہ (ریٹائرڈ)

نظریۂ پاکستان ٹرسٹ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

کتاب کے مندرجات کی ذمہ داری مصنف پر ہے

کتاب	:	تخلیقِ پاکستان پر مہرِ ربانی کی چھاپ
مصنف	:	طارق مجید، کموڈور بحریہ (ریٹائرڈ)
مترجم	:	سعید رومی
ناشر	:	نظریۂ پاکستان ٹرسٹ
طابع	:	نظریۂ پاکستان پرنٹرز
مہتمم اشاعت	:	رفاقت ریاض
ڈیزائنر	:	محمد شہزاد یلیین
نظر ثانی شدہ ایڈیشن	:	2009ء
تعداد اشاعت	:	1000
قیمت	:	-/110 روپے

Published by

Nazaria-i-Pakistan Trust

Aiwan-i-Karkunan-i-Tehreek-i-Pakistan,
Madar-i-Millat Park, 100-Shahrah-i-Quaid-i-Azam, Lahore.
Ph. 9201213-9201214 Fax. 9202930 E-mail: trust@nazariapak.info
Web: www.nazariapak.info

Printed at: Nazaria-i-Pakistan Printers,
10-Multan Road, Lahore. Ph: 7466975

ابتدائی کلمات

نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کی غرض وغایت یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے مقاصد اور اس کیلئے دی جانے والی قربانیوں کو اُجاگر کیا جائے' نظریۂ پاکستان کی ترویج و اشاعت کی جائے اور اہلِ وطن بالخصوص نئی نسل کو پاکستان کی نظریاتی اساس اور عظیم تاریخی و تہذیبی ورثے سے متعلق معلومات فراہم کی جائیں۔ ان مقاصد کے حصول کیلئے نظریۂ پاکستان ٹرسٹ نے وطن عزیز کی نئی نسل کو اپنی سرگرمیوں کا محور و مرکز بنایا ہے کیونکہ ہماری نسلِ نو ہی ہمارے ملک و قوم کا مستقبل ہے اور ان کے فکر و عمل کو علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے افکار و کردار کے سانچے میں ڈھال کر ہی ہم اپنے مستقبل کو زیادہ روشن اور محفوظ بنا سکتے ہیں۔ اس کے لئے نظریۂ پاکستان ٹرسٹ ایک ہمہ جہت پروگرام پر عمل پیرا ہے جس میں مطبوعات کی اشاعت کا سلسلہ اہم ترین حیثیت کا حامل ہے۔ ان مطبوعات کے ذریعے ہم نئی نسل کو نظریۂ پاکستان، تحریکِ پاکستان اور مشاہیر تحریک پاکستان کے افکار و تصورات کے بارے میں نہایت سادہ زبان میں آگہی فراہم کر رہے ہیں اور ان میں اپنے ملک وقوم کے حوالے سے احساسِ تفاخر پیدا کر رہے ہیں تاکہ وہ مستقبل میں اپنی قومی ذمہ داریوں سے زیادہ احسن انداز میں عہدہ برآ ہوسکیں۔

قائداعظمؒ کی بے لوث اور عہد ساز قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں نے جان و مال اور عزت و آبرو کی بیش بہا قربانیاں پیش کر کے اگرچہ پاکستان تو

حاصل کر لیا مگر ہم اسے قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کے مطابق اسلامی نظریۂ حیات کا قابلِ تقلید نمونہ نہیں بنا سکے۔ بانیٔ پاکستان کے وصال کے بعد قوم کے نام نہاد قائدین نے ان کے نظریات سے انحراف کو اپنا وطیرہ بنا کر اس ملک کو فوجی و سول آمریتوں کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کے تصورِ پاکستان اور قائداعظمؒ کی جدوجہد کے باعث اگرچہ ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کے تسلط اور غلبے سے نجات حاصل ہو گئی مگر آج ہم ایک دوسری طرح کی غلامی کے شکنجے میں جکڑے گئے ہیں جس سے نجات کے حصول کے لئے ہمیں از سر نو قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔ صرف اسی طرح ہم وطنِ عزیز کو ایک جدید اسلامی، فلاحی اور جمہوری مملکت بنانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

قائداعظمؒ کی زیرِ قیادت تحریک پاکستان میں طلباء و طالبات نے ہر محاذ پر مسلم لیگ کے ہراول دستے کا کردار ادا کیا تھا اور ان کی شب و روز جدوجہد کے طفیل برصغیر کا ہر گوشہ ''پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ'' کے روح پرور نعروں سے منور ہو گیا تھا۔ بابائے قوم نے بارہا ان کی خدمات کو سراہا تھا اور ان پر اظہارِ فخر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''یہی ہیں وہ مردانِ عمل جو آئندہ ہماری قوم کی تمناؤں کا بوجھ اٹھائیں گے۔'' مجھے قوی اُمید ہے کہ زیرِ نظر تصنیف کا مطالعہ ہماری نئی نسل میں اس عقابی روح کو بیدار کر دے گا جو تحریکِ پاکستان کا طرّۂ امتیاز تھی اور وہ نظریۂ پاکستان کی مبلّغ بن کر پاکستان کو علاقائی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصّبات سے رہائی دلا کر وطنِ عزیز کی کشتی ساحلِ مُراد تک پہنچائے گی۔

(مجید نظامی)
چیئرمین

تخلیقِ پاکستان پر
مُہرِ ربانی کی چھاپ

وَھُوَالْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ ط وَھُوَا الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ ٥

''اور اسی کا زور چلتا ہے اپنے بندوں پر۔ اور وہی حکمت والا باخبر ہے''۔

(قرآن مجید، سورۃ 6 آیت 18)

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ ٥

''اور اللہ قادر ہے اپنے ارادے پر، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

(قرآن مجید، سورۃ 12 آیت 21)

طارق مجید

کموڈور بحریہ (ریٹائرڈ)

انتساب

علامہ محمد اقبالؒ اور قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے نام جنہوں نے مشیتِ الٰہی کی جانب سے تفویض کردہ قیامِ پاکستان کی ذمہ داری نہایت احسن طریقے سے ادا کی۔

ان مسلمانوں کے نام جنہوں نے تحریکِ قیام پاکستان میں دل و جان سے حصہ لیا لیکن وہ یہاں رہائش کے لیے نہ آ سکے۔

ان مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے نام جن کو اسلام اور پاکستان کے دشمنوں نے پاکستان کی جانب ہجرت کرنے کے دوران پیشگی طے شدہ پلان کے تحت تہ تیغ کر دیا۔

پاکستانی قوم کے نام جسے نہایت مہربان اللہ تعالیٰ نے یہ ملک بطور عطیہ مع اس ذمہ داری کے عطا کیا ہے کہ وہ اس ملک کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مشن کے مطابق چلائے اور دنیا میں اسلام کا نام روشن کرے۔

فہرست مضامین

- دیباچہ
- تعارف ودعوت فکر

باب 1

- پاکستان ایک عظیم مقصد کا امین ہے
- لمحے بھر کا آمنا سامنا
- بحریہ کے لارڈ کی ہتک
- ماؤنٹ بیٹن کے کردار کے دورُخ
- روحانی بصیرت کی حامل خاتون
- پاکستان کے باطنی مطالب کا ادراک

باب 2

- دومنفرد راہنما
- علامہ اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ میں مماثلت
- علامہ اقبالؒ کی بصیرت نے ایک عظیم ملک اور راہنما کا ورود دیکھ لیا
- قائداعظم محمد علی جناحؒ کی شخصیت کا روحانی پہلو
- ایک عظیم لقب جو مُقدّر نے عطا کیا
- سیاسی نظریات اسلامی اقدار سے ہم آہنگ

- قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تعریف ---مولانا تھانوی کی زبانی
- ایک پُرتاثیر منظر کا مشاہدہ
- قائداعظمؒ کا اسلام کے لئے جوش وجذبہ
- قائداعظم محمد علی جناحؒ کی واحد تمنا

باب 3

- اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی دوسری مملکت
- پاکستان کے نام کی انفرادیت وندرت
- عنایاتِ ربانی
- کلیتًا واضح علاماتِ ربانی
- ایک بابرکت تاریخ
- ایک سنسنی خیز اور دلنشین انکشاف
- درِحیرت کا مزید وا ہونا
- **سلسلۂ واقعات مُقدر کے ہاتھوں ڈھلا**
- ویول کی جگہ ماؤنٹ بیٹن
- جون 1948 سے قبل انڈیا سے انخلاء کا برطانوی فیصلہ
- ماؤنٹ بیٹن کی سرتوڑ مصروفیات
- برطانوی فیصلے میں اچانک تبدیلی
- اچانک تبدیلی کی کوئی معقول توجیہ نہیں ملتی
- غیرمرئی دستِ غیب کی راہنمائی

باب 4

- انتقالِ اقتدار کی تاریخ کے بارے میں ناقابلِ فہم سکوت
- مسحور کن حیرت انگیز ڈرامہ
- برطانوی پارلیمنٹ میں بل کی ریکارڈ تیزی
- ہندو جوتشیوں کا 15 اگست کی تاریخ پر شدید واویلا
- ربّانی منصوبہ—— ایک نظر میں

باب 5

- ایک مشکل سوال کا جواب
- اللہ کی سنّت
- آزمائش میں ناکامی کی سزا
- آفاتِ زمانہ میں فائدہ مند اسباق
- المیۂ مشرقی پاکستان سے سبق حاصل کرنا
- 16 دسمبر تلافیٔ مافات کا تقاضا کرتا ہے

باب 6

- عالمی صیہونیت/ اسرائیل کی نظر میں پاکستان اوّلین ہدف ہے
- بن گوریان کی غرور بھری دھمکی صورِ بیداری تھی
- قائداعظمؒ کا انتباہ
- گامزن جانب منزلِ مراد
- قیامِ مملکت پر عظیم ابتلاء سے گزرنا

- **تحفظِ پاکستان**

- ملک کے تحفظ کی ذمہ داری اور خطرات کا ادراک
- اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا تحفظِ پاکستان کا تقاضا ہے
- صیہونی اسرائیل کے بارے میں قرآن مجید کا فیصلہ

باب 7

- یومِ آزادی 27 رمضان اور 15 اگست کو منایا جائے
- ماہِ رمضان کی 27 ویں شب کی فضیلت
- ایک امتیازی قوم

- حوالہ جات
- کتابیات

حرفِ تعارف و دعوتِ فکر

یہ تحریر ایک نادر اور مسحور کن موضوع پر ہے۔ بہتر ہے کہ آپ اسے کھلے بلکہ ایک جستجویانہ ذہن کے ساتھ پڑھیں۔ یہ آپ کے سوالات اور شکوک وشبہات کا شافی ازالہ کرے گی۔ ان شاء اللہ یہ آپ کے لیے نہایت روح پرور اور حوصلہ بخش ثابت ہوگی اور آپ اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اپنی زندگی کے بارے میں باطنی مقاصد و مطالب کا ادراک حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

پاکستانی دانشوروں نے یقیناً تحریکِ پاکستان کے مختلف پہلوؤں، دوقومی نظریے اور قیامِ پاکستان کے علاوہ ان دو مقتدر و ممتاز شخصیات یعنی علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ، جن کا اس بارے میں کلیدی کردار رہا، کئی قابل ذکر کتب لکھی ہیں۔ بہرحال قیام پاکستان کے بارے میں ایک مفصل، دستاویزی رپورٹ جسے سرکاری سند حاصل ہو اور وہ اس ملک کی منفرد حیثیت اور کردار کا پورا احاطہ کرتی ہو تا حال معرضِ وجود میں نہیں آئی۔ اسی طرح نظریۂ پاکستان یعنی وہ نظریہ جس کے تحت پاکستان وجود میں آیا اور جو اس کا مقصد ہے، اس کے بارے میں بھی کوئی جامع کتاب میسر نہیں۔

اس کتاب میں جن موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ان میں نظریۂ پاکستان اور اس ملک کے قیام کا منفرد اور بے مثال ہونا سرفہرست ہے۔ اُمید ہے اس میں جن حقائق اور ان پر مبنی جن نتائج کی نشان دہی کی گئی ہے۔ وہ قارئین کو ہمارے ملک کے بارے میں ایک نئی آگہی و شعور بخشیں گے اور یہ ہمارے مستقبل کے ادبی ورثہ میں مناسب توجہ حاصل کرے گی۔

کیا خدا تعالیٰ افرادو اقوام کے معاملات میں دخل انداز ہوتا ہے؟ جی ہاں! یقیناً۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ خالقِ کائنات ہر بات سنتا اور ہر عمل دیکھتا ہے۔ وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے۔ اس دنیا اور کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اسی کے منصوبے کے مطابق ہے۔ ایک شاعر نے یہی بات بڑے دلنشیں انداز میں کہی ہے:

سچائی ہمیشہ تختہ دار پر
مخالفِ حق ہمیشہ تخت شاہ پر
پھر بھی وہ تختۂ دار رقم کرتا ہے مستقبل
اور زمانے کے پیچھے اَن دیکھے پردے میں
دھندلے سائے میں موجود خدائے ذوالجلال
ہر دم نگران ہے اپنی خلق کی پرورش پر

اللہ جل جلالہ، درحقیقت افرادو اقوام کی زندگی میں ہر وقت دخیل ہے۔ وہ ان کے اعمال کی مناسبت سے ہمہ وقت ہر کسی کو مدد، تنبیہہ، سرزنش یا انعام عطا کرنے میں مشغول ہے۔ اس کا دخل دینے کا انداز اکثر ان ڈائریکٹ یعنی بالواسطہ ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ربانی مداخلت کسی غیر معمولی واقعے یا غیر متوقع اچانک تبدیلیٔ حالات کی صورت میں ہوتی ہے۔ لیکن اس کا ظہور ایسے انداز میں ہوتا ہے کہ یہ عام دنیاوی معاملات کے اتار چڑھاؤ کا ایک قدرتی حصہ معلوم ہوتا ہے۔علاوہ ازیں اس کی اصل نوعیت کے ادراک کے لیے انسان کو یقین محکم، اللہ کی سنت یا طریق عمل کا حقہ سمجھنا اور ان حالات کے سیاق وسباق کو سمجھنے اور تجزیہ کرنے کی اہلیت بھی درکار ہوتی ہے جس کے پس منظر میں یہ ربانی مداخلت بروئے عمل آئی۔ اکثر لوگ اپنے ذاتی معاملات میں مشیتِ ایزدی کے دخل کو سمجھ ہی نہیں پاتے۔ نہ ہی

وہ اپنے ملکی معاملات یا دیگر دنیاوی معاملات میں اس عمل دخل کو سمجھ پاتے ہیں ۔

مشیّتِ الٰہی کبھی کبھار ایسے واقعات وحالات کوجنم دیتی ہے جو عام فہم نہیں ہوتے اور جنہیں ہم قدرتی عوامل کا شاخسانہ بھی قرار نہیں دے سکتے ۔ لوگوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اِسے اللہ تعالیٰ کا دخل سمجھیں اور اس سے موزوں ومناسب سبق حاصل کریں ۔لیکن انسانی انا (Ego) اپنے سرشتی تکبّر یا ایمان کی کمی کے باعث ان کی دنیاوی یعنی عقلی توجیہہ ڈھونڈنے پر مُصر رہتی ہے۔ بہت کم لوگ ایسی بصیرت کے حامل اور عاجزانہ طبع کے مالک ہوتے ہیں کہ وہ ان معاملات میں مشیتِ ایزدی کا ادراک کرتے ہوئے نصیحت پکڑیں ۔

بعض کمیاب واقعات وحالات میں اللہ تعالیٰ کا دخل براہِ راست نظر آتا ہے جو بلاشک وشبہ ربّانی مداخلت کوثابت کرتے ہیں ۔ ایسی مداخلت کسی قوم یا گروہ کے لیے جزاء کے طور پہ بھی ہوسکتی ہے اور سزا کے طور پہ بھی ۔ ان کے مقاصد جو بھی ہوں ایسے واقعات اپنی نوعیت میں نہایت عظیم اور اثر آفریں ہوتے ہیں ۔ ان سے یہ واضح طور پر مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے متاثرین (اور ان کا مشاہدہ اور علم رکھنے والے دیگر لوگوں سے بھی) یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ ان واقعات کے مقصد ومنبع کو پوری طرح سمجھ لیں اور اس بارے میں کسی شک میں مبتلا نہ رہیں ۔

اگر رب العزت کی طرف سے ایسی کوئی براہِ راست، بشری شک وشبہ سے بالاتر، مداخلت کا مقصد کسی ملک یا قوم کے لوگوں کو نوازنا ہوتو وہ یقیناً بے حد خوش بختی اور عطائے خاص کے حامل ہیں ۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اس بارے میں پورے خلوص،توجہ اور انہاک سے غور وخوض کریں کہ وہ کون سی خاص بات تھی یا ان کے کردار کا کون سا پہلو تھا جو ربِّ کریم ذوالجلال کو اتنا پسند آیا کہ اس نے اس قدر ظاہری جزاء سے انہیں نوازا اور اب وہ ان سے

کن کن ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہونے کا منتظر ہے! اگر ان کی تگ ودو پُرخلوص ہے—جو کہ ہونی چاہیے—تو وہ اس عظیم الشان حقیقت کو پوری آب وتاب سے جگمگاتا ہوا دیکھیں گے جو اس غیر معمولی واقعہ کے بطن میں پنہاں ہے۔ مشیّتِ ایزدی انہیں ایک ظاہر حقیقت کے طور پر عیاں نظر آئے گی۔ ان کے دل ودماغ فیضانِ روحانی سے سرشار ہو جائیں گے۔ ان کا ایمان تازہ ہوگا۔ ان کی نئی قلبی و ذہنی کیفیت اور اس سے حاصل ہونے والی زبردست توانائی انہیں کسی بھی قسم کے مسائل اور چیلنجوں کا بخوبی مقابلہ کرنے کی صلاحیت عطا کرے گی۔ اس اثاثے اور دیگر فوائد کے علاوہ عوام کو یہ شعور حاصل ہوگا کہ ان کی کمزوریاں اور طاقت کیا ہے؟ ان کی راہ میں حائل خطرات ومسائل کی اصلیت کیا ہے؟ اور یہ کہ ان سے کیسے نمٹا جائے؟

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایک ایسی ہی غیر معمولی ربّانی مداخلت کی نعمت سے نوازا ہے۔ اسے سمجھیں اور اس پر غور وفکر کریں۔ اس میں جو قوتیں اور قیمتی اثاثے پوشیدہ ہیں ان پر قدرت حاصل کریں۔ یہ اسرار جاننے کی سعی کریں کہ ہم ربّانی نوازشات کا اعادہ کیسے حاصل کر سکتے ہیں! اگر کسی قوم کے ہاتھ یہ ہنر آجائے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عطا کرنے والی ڈائریکٹ مداخلت کیونکر حاصل کی جاسکتی ہے، تو وہ دوبارہ بھی کامیابی کے ساتھ اس کے لیے سعی کرسکتی ہے۔

22 اگست 2005	طارق مجید
16 رجب 1426ھ	J-8، ڈی ایچ اے، لاہور کینٹ

باب 1

قرآنِ مجید میں سورۃ 2 آیت 269 میں درج ہے ''وہ جسے چاہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر سے نوازا گیا۔ لیکن اکثر اسے ذہن میں نہیں رکھتے ماسواء ان کے جنہیں بصیرت سے نوازا گیا ہے''۔

حکمت کے حامل افراد اعلیٰ بصیرت اور الہامی سوچ بھی رکھتے ہیں۔ ہمیں تاریخ سے بھی پتہ چلتا ہے اور قرآنِ حکیم میں بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن عظیم شخصیات کو حکمت عطا کرتا ہے جن سے لوگوں کی ایک اعلیٰ منزل کی جانب راہ نمائی کروانی ہوتی ہے۔ [1]

پاکستان ایک عظیم مقصد کا امین ہے

بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک عظیم راہنما تھے۔ آپ ان کے کردار، عادات، یا ان کی زیرِ قیادت حاصل شدہ کامیابیوں پر نظر ڈالیں تو وہ یقیناً بیسویں صدی کے عظیم ترین راہ نما کے طور پر ابھرتے ہیں۔ ان کے ایک سوانح نگار، پروفیسر سٹینلے والپرٹ نے اسی بات کو بڑے موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب کی ابتداء مسٹر محمد علی جناحؒ کو درج ذیل خراجِ تحسین پیش کرنے سے کرتا ہے:-

> **''کم ہی لوگ تاریخ کا دھارا قابلِ ذکر انداز سے موڑتے ہیں۔ اس سے بھی کم لوگ ہیں جو دنیا کے نقشے کو تبدیل کرسکیں۔ اور ایک قومی ریاست قائم کرنے میں تو شاید ہی کوئی کامیاب ہوا ہو۔ محمد علی جناحؒ نے تن تنہا یہ تینوں کام اکٹھے کردکھائے!''** [2]

قائداعظمؒ کی بے شمار ایمان افروز تقاریر و بیانات میں 26 مارچ 1948 کو چٹا گانگ کے ایک عوامی استقبالیہ میں دیئے گئے مندرجہ ذیل فرمودات بھی شامل ہیں، جو بلند پایہ حکمت اور بصیرت کا نمونہ ہیں:

"یہ سب سے بڑا مسلم ملک 15 اگست 1947 کو معرض وجود میں آیا۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک عظیم دن ہے۔ لیکن اس عظیم دن صرف ایک حکومت ہی وجود میں نہیں آئی۔ بلکہ ایک عظیم ریاست اور عظیم قوم نے بھی جنم لیا...... یہ دنوں باہمی تکمیل و بقائے باہمی کا باعث ہیں۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ جن کے ذہن قدرے سست ہیں وہ یہ ادراک کرنے سے قاصر ہیں کہ اس دن ایک عظیم ملکیت کے بارے میں ہی سوچنا ایک قدرتی بات ہے لیکن ہم جس قدر جلد اپنے آپ کو نئی قوتوں کے ساتھ ہم آہنگ کرلیں اور چشم بصیرت سے افق کے پار نظارہ کر کے اپنی اس مملکت اور قوم کے غیر متناہی امکانات کا جائزہ لے سکیں اتنا ہی یہ پاکستان کے حق میں بہتر ہوگا۔ صرف اسی صورت میں یہ ممکن ہوگا کہ ہم میں سے ہر ایک انسان ترقی کے عظیم نظریات کو عملی جامہ پہنا سکے۔ سماجی انصاف اور عالمگیر اخوت اگر ایک جانب پاکستان کے قیام کا سبب ہیں تو دوسری جانب ان میں یہ لامتناہی امکانات بھی ہیں کہ ہم اپنی ریاست میں ایک مثالی سماجی ڈھانچہ بھی تشکیل دے سکیں"[3]

اسلامی جمہوریۂ پاکستان کے قیام میں ایک عظیم مقصد پوشیدہ ہے۔ اس کی جھلک اس شخصیت کے اقوال میں دیکھنا ممکن ہے جس نے پاکستان کے منفرد خیال کو اپنایا اور پھر اسے حقیقت بنانے کے لیے ایک طویل جدوجہد کی راہنمائی کی۔ تحریکِ پاکستان اور قیام ملک کی پوری داستان ابھی تک مکمل طور پر بیان نہیں ہو پائی۔ یہ کام ان دانشوروں کا منتظر ہے جن کو نہ صرف تمام تاریخی حقائق کا ادراک ہو بلکہ وہ ہندوؤں اور انگریزوں کی تمام ریشہ

دوانیوں اور سازشوں سے آ گاہ ہوں۔ مسلمانوں پر ڈھائے گئے سکھوں کے نا قابلِ معافی انسانیت سوز مظالم سے بھی آ گاہ ہوں ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایسی روحانی بصیرت کے حامل ہوں جو مشیّتِ الٰہی کے پروگرام میں پاکستان کے مقام ومرتبہ کا تعین کرنے کی اہلیت رکھتی ہو۔ یہ مکمل داستان کبھی نہ کبھی ضرور بیان ہوگی ۔ یہاں اس داستان کے ایک کلیدی لیکن تا حال پوشیدہ پہلو پر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ یہ پہلو انتہائی دلچسپی اور اہمیت کا حامل ہے۔

لمحے بھر کا آمنا سامنا

یہ انگلستان کی کاؤنٹی ڈیون شائر میں موسم گرما کی ایک سہانی صبح کا ذکر ہے۔ 28 جولائی 1958 کا دن تھا۔رائل نیول کالج ڈارٹ متھ کے مڈشپمین اور کیڈٹ اپنی کالج گراؤنڈ میں رسمی پاسنگ آؤٹ پریڈ کے لیے الگ الگ دستوں میں صفیں باندھے کھڑے تھے۔ برطانوی ملکہ الزبتھ کا شوہر شہزادہ فلپ پریڈ کا معائنہ کر رہا تھا۔ میں ٹرم ششم کا ''مڈشپمین'' تھا اور اپنے دستے کی صف اول میں کھڑا تھا۔ نظریں سیدھی رکھے ہوئے بھی میں پرنس فلپ کو بائیں جانب سے آتا ہوا دیکھ سکتا تھا۔ بحریہ کا سربراہ بحری لارڈ اول ایڈمرل آف دی فلیٹ لوئی ماؤنٹ بیٹن (پیدائش 1900ء—وفات 1979ء) اس کے ہمراہ تھا۔ ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کے لوگ اس کے 1947 کے تقسیم ہند کے وقت آخری وائسرائے کے رول کی وجہ سے بطور دشمن یا ولن جانتے تھے۔ اس وقت مجھے اس کی دغا بازی کے کردار کا پورا علم نہ تھا لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ ہندو انڈیا کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اس نے عین آخری وقت میں طے شدہ سرحد میں تبدیلی کروائی اور کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دی تھی۔

پرنس فلپ تو میرے آگے سے گزر گیا لیکن ماؤنٹ بیٹن جب میرے سامنے آیا تو رک گیا۔ ہوسکتا ہے میری ذہنی لہروں نے اسے متاثر کیا ہو۔ وہ ایک بھاری بھرکم رعب دار شخصیت والا آدمی تھا لیکن میرے لیے اہم صرف اس کا کردار تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے رعب دار آواز میں سوال کیا ''آپ کہاں سے آئے ہیں؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا ''پاکستان سے'' ۔ وہ بولا ''ہاں۔ یہ مجھے معلوم ہے لیکن کس جگہ سے؟'' میں نے کہا: ''لاہور سے'' ۔ وہ منہ ہی منہ میں بولا ''لاہور سے'' اس نے چند ثانیے میری جانب گھمبیر انداز میں دیکھا۔ پھر آگے بڑھ گیا۔ کیا اسے میری آنکھوں میں کچھ تشویشناک جھلک دکھلائی دی؟

مجھے معاًیہ احساس ہوا کہ میں نے حسبِ روایت لفظ سر (Sir) بالکل نہ بولا تھا۔ میری یہ نیت تو نہ تھی لیکن یہ لفظ میرے تحت الشعور نے ہی بھلا دیا۔ یہ ایک لمحہ بھر کی مڈبھیڑ تھی۔ لیکن بعض اوقات ایسے لمحات بھی تحت الشعور میں خیالات کی گہری رو موجزن کر دیتے ہیں۔

بحریہ کے لارڈ کی ہتک!

چالیس برس بعد ایک اور پاکستانی کی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مڈبھیڑ کا مجھے علم ہوا۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ پاکستانیوں کے دل میں ماؤنٹ بیٹن کے بارے میں کس قدر نفرت بھری تھی۔ اس غیرت مند پاکستانی نے اس فریب کار مغرور ایڈمرل کو ہتک کا مزہ چکھلیا تھا۔ ائیر کموڈور (ریٹائرڈ) میاں عطا ربانی جو کہ اگست 1947 میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے اے۔ڈی۔سی تھے اس واقعہ کو اپنی یادداشتوں میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مجھے واشنگٹن ڈی۔سی میں ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کا ایک اور موقعہ ملا لیکن میں نے اس سے استفادہ نہ کیا۔ وہ 1963ء میں برطانوی جائنٹ چیفس آف سٹاف کی حیثیت میں واشنگٹن دورہ پر آیا تھا۔ برطانوی سفیر نے لیڈ مرل کے اعزاز میں ایک شاندار ڈنر کا اہتمام کیا۔ مجھے بھی پاکستان فضائیہ کے اتاشی کی حیثیت سے مدعو کیا گیا۔ یہ تقریب اس شام میری تیسری مصروفیت تھی...... جب میں بمعہ اپنی بیگم برطانوی سفارت خانے پہنچا تو صرف چند بچے کھچے اصحاب ہی اندر جا رہے تھے۔ لارڈ محترم سرخ غالیچے پر خیرہ کن فلڈ لائیٹوں کے سیلاب میں جلوہ فگن تھا۔ اتفاق سے میرا پاکستان بحریہ کا ہمکار (Colleague) مہمانوں کی قطار میں مجھ سے آگے کھڑا تھا۔ میرے اس ہمکار سے مصافحہ کرنے کے بعد ماؤنٹ بیٹن اس سے کچھ خوش کلامی کرنے لگا۔ عین اسی لمحے جب ان کی بات چیت اختتام پذیر ہونے کو تھی تو میرے من میں اس تضاد کا الاؤ بھڑک اٹھا کہ جب اس دھوکے باز لارڈ کے لیے میرے دل میں کچھ بھی احترام نہیں تو میں کیوں اس کے لیے احترام کا مظاہرہ کروں! اس بات کی شرمندگی عمر بھر میرا احاطہ کئے رہے گی۔ میرے ضمیر کو یہ گوارا نہ ہوا۔ میں نے قطار میں سے ہٹ کر 'مہمان خصوصی' کو نظر انداز کرنے کا فیصلہ کیا۔ پیشتر اس کے کہ میری بیگم میرے اس "آ چلیں!" کے بارے میں کچھ کہتی میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دیگر تمام مہمانوں کی نظروں کے سامنے قطار سے ہٹ کر آگے بڑھ گیا۔ میری بیگم نے دریافت کیا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے اسے بتایا کہ میرے اندر کا 'پاکستانی' مجھے اس بات پر ملامت کر رہا تھا کہ تو اس آدمی سے ملاقات کے لیے قطار میں کھڑا ہے جس نے تیرے ملک کے مفاد کا بے پایاں نقصان کیا ہے۔"[4]

ماؤنٹ بیٹن کے کردار کے دو رُخ

اس وقت تک مجھے ماؤنٹ بیٹن کے دغا بازانہ رول کی سیاہ تفصیلات کا خاصا علم ہو چکا تھا جو اس نے پاکستان کے خلاف سرانجام دیا تھا۔ لیکن تب تک مجھے ماؤنٹ بیٹن کے

ایک اور رول کا علم بھی ہو چکا تھا جو تقدیرِ الٰہی کے ہاتھوں اس سے کروایا گیا تھا۔ مجھے یہ احساس ہو چکا تھا کہ پاکستان کا قیام امر ربانی کی براہِ راست کارروائی کا نتیجہ تھا جس کا مقصود اس نوزائیدہ مملکت کو خاص عنایات سے نوازنا تھا۔ اور ماؤنٹ بیٹن ایک ولن (شرانگیز کردار) کے ساتھ ساتھ اس نادر کام میں بھی آلۂ کار بنایا گیا تھا۔

روحانی بصیرت کی حامل خاتون

سال 2003ء کے موسم بہار میں ایک اجنبی میرے گھر تشریف لایا۔ وہ ایک ملنسار شخصیت کا مالک تھا۔ وہ چالیس کی دہائی کے آخری سالوں کی عمر کا معلوم ہوتا تھا لیکن بظاہر نوجوان نظر آتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی والدہ نے میری کتاب پڑھی تھی اور اسے مجھ سے ملاقات کرنے کا کہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے میرا پتہ ڈھونڈ نکالا۔ میرا خیال تھا کہ وہ میری اُردو کی کتاب کی جانب اشارہ کر رہا ہے جو دسمبر 2002ء میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن اس نے کہا کہ اس کی والدہ کا جولائی 2002ء میں انتقال ہو چکا تھا اور انہوں نے میری انگریزی میں شائع شدہ کتاب ''دی گلوبل گیم فار اے نیو ورلڈ آرڈر'' پڑھی تھی۔ مجھے اچنبھا ہوا۔ محترمہ کو ضرور بین الاقوامی حالات سے قدرے گہری دلچسپی ہوگی جو انہوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ اس کتاب میں کونسی ایسی بات تھی جس نے اس خاتون کو اپنے بیٹے کو مجھ سے ملاقات کرنے پر اکسایا؟

ہماری گفتگو اپنے ملکی حالات کی جانب مڑی۔ اس نے مجھے بتلایا کہ اس کی والدہ کو علامہ اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ سے خاص عقیدت تھی۔ وہ پاکستان سے والہانہ شیفتگی رکھتی تھیں۔ ان کی نظروں میں یہ ملک مسلمانانِ برصغیر کے لیے عطیۂ خداوندی تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ پاکستانیوں کا فرض عین ہے کہ وہ تن من دھن اور پوری

صلاحیتوں سے اس ملک کی پرخلوص خدمت بجالائیں۔ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک سے خاص طور پر اس کی جوابدہی چاہے گا کہ ہم نے پاکستان کی کیا خدمت کی؟

جیسے ہی اس نے یہ بات کہی مجھے معاً اپنے ذہنی سوال کا جواب مل گیا۔ میرا ابھی پاکستانی عوام کی ذمہ داریوں کے بارے میں یہی نکتۂ نظر ہے۔ میری اس کتاب میں یہ بات بعینہٖ ان الفاظ میں درج نہ تھی لیکن اس عالی نظر خاتون کو اس تحریر کے پسِ منظر میں موجود یہ خیال عیاں نظر آیا۔ مجھے یہاں یہ درج کرتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ میں خود ایسے کئی پاکستانیوں سے واقف ہوں جو اسی نکتۂ نظر کے حامل ہیں۔

پاکستان کے باطنی مطالب کا ادراک

پاکستان کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے بیشمار پاکستانیوں کی طرح مجھے بھی پاکستان سے گہری وابستگی ہے۔ قیام پاکستان پر میری عمر سات دن کم دس برس تھی۔ بیشتر پاکستانیوں کی طرح میں بھی پاکستان کا 27 رمضان المبارک کے بابرکت دن وجود میں آنا ایک اچھا شگون اور ایک عظیم اتفاق (Coincidence) خیال کرتا تھا۔ میرے ذہن میں اس واقعہ کی روحانی اہمیت کا خیال پوری طرح اجاگر ہونے میں کئی برس لگے! خاص طور پر ملازمت سے سبکدوشی کے بعد یہ خیال پختہ ہوا لیکن میری بحریہ کی ملازمت کے دوران اس کے لیے شواہد جمع ہوتے رہے۔ میں علامہ اقبالؒ کے روح پرور کلام اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی مثالی زندگی اور ان کے عظیم کارناموں سے ہمیشہ مستفیض ہوتا رہا۔ کبھی کبھار کوئی خصوصی روح پرور واقعہ بھی میرے حصے آتا رہا۔

ایسا ہی ایک تجربہ مجھے 22 نومبر 1986 کو دانشور اور ممتاز وکیل جناب اے۔ کے۔ بروہی (ولادت 24 دسمبر 1915 –وفات 14 ستمبر 1987) سے ملاقات کے

دوران ہوا۔ تب میری ریٹائرمنٹ میں ابھی آٹھ ماہ رہتے تھے۔ وہ پاکستان نیوی سٹاف کالج کراچی میں بطورمہمان مقرر مدعو تھے۔ میں ان دنوں کالج کا کمانڈنٹ تھا۔ میں ان کا استقبال کر کے انہیں اپنے دفتر کی جانب لے جارہا تھا کہ جناب بروہی نے اچانک میری طرف جھکتے ہوئے پاکستان کے بارے میں ایک نہایت ایمان افروز بات کہی۔ مجھے ان کے صوفیانہ ذوق کا کچھ کچھ اندازہ تھا۔ لیکن مجھے ان کے روحانی کمال اورعلامہ اقبالؒ کے ساتھ ان کی عقیدت کا راز ایک سال بعد لاہور میں پروفیسر محمد منور صاحب (ولادت 27 مارچ1924 -وفات 7فروری 2004) سے معلوم ہوا جوخود بھی ایک صوفی تھے اور علامہ اقبالؒ وقائداعظمؒ کے معتقدین میں سے تھے۔

☆☆☆☆☆

باب 2

دو منفرد راہنما

وہ عظیم تحریک جس سے اسلامی مملکت پاکستان کے نظریئے کا سوتا پھوٹا اور جس کی بنیاد پر یہ مملکت وجود میں آئی۔ اس کے دو اوّلین اور نمایاں رہنما محمد اقبالؒ (ولادت 9 نومبر 1877 - وفات 21 اپریل 1938) اور محمد علی جناحؒ (ولادت 25 دسمبر 1876 - وفات 11 ستمبر 1948) تھے۔علامہ اقبالؒ نے غلامی اور مایوسی میں ڈوبے ہوئے مسلمان عوام کوایک ولولہ عطا کیا۔ ان میں خود اعتمادی کی روح پھونکی اور نوآبادیاتی غلامی کا جوا اتار پھینکنے کا جذبہ جگایا تا کہ وہ بطور ایک آزاد اور متحرک قوم کے امت مسلمہ کے مثالی کردار کو دوبارہ زندہ اور متحرک کر کے اسلام کی عظمتِ رفتہ کی یاد تازہ کریں۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم عامتہ الناس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ذہنی اور روحانی اتحاد پیدا کیا۔ ان میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کرنے کی تڑپ اور اس کے لیے جدوجہد کرنے کا جذبہ ابھارا۔ انہوں نے ان کے لیے اور باقی دنیا کے لیے مسلم قومیت کے بھولے بسرے منفرد تشخص کو نئے انداز میں پیش کیا۔ انہوں نے معترضین اور مخالفین کو اس کی نشاۃِ ثانیہ کا قائل کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو وہ مطلوبہ راہنمائی مہیا کی جس کے لیے عظیم عزم اور مصمم مدبرانہ صلاحیت کے علاوہ قانونی اور سیاسی مہارت بھی درکار تھی کیونکہ مقابلہ دو چالاک اور دھوکہ باز مخالفین یعنی برطانوی اور ہندو دشمنوں سے درپیش تھا۔

علامہ اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ میں مماثلت

علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کے درمیان حیرت انگریز مماثلت پائی جاتی تھی۔

دونوں اسلامی جذبہ تحریک کے حامل تھے۔ دونوں قرآن وسنت سے راہنمائی اورعزم حاصل کرتے تھے۔ دونوں گہرے مفکّر تھے اور دیگر علوم کے علاوہ اسلامی تاریخ اور بین الاقوامی حالات کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب کے تمام مثبت اور منفی پہلوؤں کا بھی ادراک رکھتے تھے۔ دونوں کو برصغیر کے اندر اور باہر مقیم مسلمانوں کے مسائل اور مشکل حالات کا شعور تھا۔

دونوں کے خیالات وجذبات کی پختگی، مشاہدات، تجربات اور تفکّر کی مرہون منت تھی۔ اور دونوں اس برصغیر میں ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کو ضروری اور ناگزیر سمجھتے تھے۔ دونوں گہری بصیرت کے مالک تھے۔ اور اس اسلامی مملکت کو اسلام کے عروجِ ثانی کا مرکزی خطہ اور مسلم دنیا کے لیے مضبوط حصار بننا اس کا مقدر جانتے تھے۔ دونوں روحانی صلاحیتوں سے مالا مال تھے اور یہ احساس رکھتے تھے کہ کسی خاص مقصد کا حصول ان کا مقدر تھا۔ دونوں کو تخلیقِ پاکستان میں اپنے انفرادی کردار کی تائیدِ الٰہی کا پختہ یقین تھا۔

علامہ اقبالؒ کی بصیرت نے ایک عظیم ملک اور رہنما کا ورود دیکھ لیا

علامہ اقبالؒ نے اوائل 1930ء میں ایک مسلم دانشور کو بتلایا تھا کہ: ''*مسلمانوں کے لیے ایک الگ وطن کے قیام کا خیال مجھے حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر عبادت کے دوران آیا تھا*''۔ [5] اس دانشور کے مطابق علامہ اقبالؒ پر یہ خیال اس مشہور صدارتی خطبہ سے پہلے القاء ہوا تھا جو انہوں نے 29 دسمبر 1930ء کو الٰہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں دیا تھا۔ اس خطبہ میں انہوں نے پہلی مرتبہ ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کا خاکہ پیش کیا تھا۔ انہوں نے درحقیقت تخلیق پاکستان کی پیشگوئی اپنی ایک مشہور پرجوش نظم 'طلوعِ اسلام' میں 1920/21ء میں ہی کر دی تھی۔ [6]

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی!

یہ کون مسلمان تھے جنہیں قدرت ایک عظیم ریاست کی نشانیاں عطا کرنے والی تھی؟ وہ برصغیر کے مسلمانوں کے علاوہ اور کون ہوسکتے تھے۔ علامہ اقبالؒ کی روحانی بصیرت پر یہ بھی عیاں ہو چکا تھا کہ مسلم عوام کے اس منتشر ہجوم کی قیادت کے لیے ایک عظیم راہ نما کا ظہور ہوگا۔ انہوں نے 1927 میں اپنی ایک فارسی نظم میں نوجوانانِ اسلام کو خطاب کرتے کہا تھا:[7]

می رسد مردے کہ زنجیر غلاماں بشکند
دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما!

(وہ مرد راہنما آ رہا ہے جو غلاموں کی زنجیر توڑ ڈالے گا۔ مجھے تمہارے زندان کی دیوار میں درازوں سے یہ نظر آ رہا ہے!)

اسی ولولہ انگیز شاعرانہ کلام یعنی ''زبورِ عجم'' کی ایک اور نظم میں وہ اپنی بصیرت افروز چشم تصور میں ایک عظیم راہنما اور ایک عظیم ریاست کے جنم لینے کی پیشنگوئی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:[8]

خضر وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آید بروں
کارواں زیں وادیٔ دور و دراز آید بروں
من بسیمائے غلاماں فرِّ سلطان دیدہ ام
شعلۂ محمود از خاکِ ایاز آید بروں!

(حجاز کے صحرا سے ایک عظیم راہنما نمودار ہوگا جو کارواں کو گہری وادی سے باہر نکالے گا۔ مجھے غلاموں کی پیشانیوں پر شاہی جلوہ نظر آرہا ہے۔ جو خاکِ ایاز سے شعلۂ محمود بن کے نکلے گا)۔

جس راہنما کا علامہ اقبالؒ نے تصور کیا اور پھر نشان دہی بھی کردی وہ قائداعظم محمد علی جناحؒ تھا۔ یہ صرف حالات کا ہی تقاضا نہ تھا بلکہ اس میں علامہ اقبالؒ کی روحانی بصیرت بھی شامل تھی کہ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ سے مسلمانوں کی قیادت کو کلی طور پر سنبھالنے پر اصرار کیا۔ *''مسلم انڈیا اُمید رکھتا ہے کہ اس نازک موڑ پر آپ کی طبعی ذہانت موجودہ مشکل صورتِ حال کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ڈھونڈ نکالے گی۔''* [9] ایک دوسرے خط میں علامہ اقبالؒ نے لکھا: *''آپ وہ واحد مسلمان ہیں جس پر ہماری مسلم آبادی یہ حق رکھتی ہے کہ وہ اس طوفان سے بحفاظت گزر جانے کے لیے آپ کی راہنمائی پر انحصار کرے جو شمال مغربی ہندوستان پر نازل ہونے والا ہے۔''* [10]

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی شخصیت کا روحانی پہلو

ایک عظیم لقب جو مقدر نے عطا کیا

اس بات میں بھی ایک روحانی پہلو کی جھلک ہے کہ ''قائداعظمؒ'' (عظیم راہ نما) کا خطاب آپ کے نام محمد علی جناحؒ کا صرف لاحقہ ہی نہیں بلکہ ہم معنی بن گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لقب سب سے پہلے ایک مذہبی شخصیت مولانا احمد سعید نے جامع مسجد مرادآباد، انڈیا میں 7 دسمبر 1930ء کو اپنی تقریر میں استعمال کیا۔ احمد سعید کے الفاظ تھے: *''آج مسلمانوں میں سیاست کو سمجھنے والا ان (محمد علی جناحؒ) سے بہتر کوئی شخص نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے قائداعظمؒ کہلانے کے وہ بجا طور پر مستحق ہیں''*۔ [11]

یہ خطاب ہندوستان کے مسلمانوں میں فوراً مقبول ہوگیا۔ عجیب بات ہے کہ اس کے کچھ ہی دیر بعد اس مذہبی-سیاسی پارٹی یعنی جمعیۃ العلماء ہند نے جس کا سیکرٹری مولانا احمد سعید تھا اپنے آپ کو ہندو کانگرس کے ہمرکاب کرلیا۔لیکن یہ خطاب قائداعظم محمد علی جناحؒ کے حصہ میں ہمیشہ کے لیے آ گیا۔ تقدیر نے اپنا کام کروالیا تھا۔ 11 اگست 1947ء کونواب زادہ لیاقت علی خاں نے پاکستان کی آئین ساز اسمبلی میں ایک قرارداد پیش کی کہ 15 اگست 1947ء سے مجلس آئین ساز پاکستان کے صدر اور پاکستان کے نامزد گورنر جنرل محمد علی جناحؒ کوتمام سرکاری قوانین' دستاویزات' مکاتیب اور مراسلت میں ''قائداعظم محمد علی جناحؒ'' کےنام مخاطب کیا جائے۔[12]

جدید تاریخ میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی کہ کسی راہنما کو اس کے اصلی نام سے بھی زیادہ اس کے تعظیمی لقب سے شناخت حاصل ہو۔

سیاسی نظریات اسلامی اقدار سے ہم آہنگ

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی شخصیت میں بلند مرتبہ روحانیت شامل تھی۔ لیکن ان کے کردار کے روحانی پہلو کو ایک بدخواہ ملک-دشمن ٹولی نے پوشیدہ طریقوں سے سوچی سمجھی پلان کے مطابق دنیا کی نظروں سے اوجھل رکھا۔ بدقسمتی سے اس کام میں وہ کٹ مُلّا بھی شامل تھے جو انہیں دین سے دور شخصیت کے رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ایک مہک دار پھولوں سے لدے پھندے درخت کی خوشبو کو کس طرح کوئی قید کرسکتا ہے؟ قائداعظمؒ کی تقاریر، بیانات، اقدامات اور خیالات ان کی روحانیت اور یقین محکم کے آئینہ دار تھے۔قیام پاکستان کے سیاسی اور معاشی پہلوؤں کے بارے میں ان کے خیالات اسلامی تعلیمات سے ماخوذ تھے۔اس کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

☆ ''ہمارا دین ہماری ثقافت اور اسلامی نظریات ہمارے آزادی حاصل کرنے کا جذبہ محرکہ ہیں۔''[13]

☆ ''ہم مشیت ایزدی کے شکر گذار ہیں جس نے ہمیں ان باطل طاقتوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کا حوصلہ اور ایقان عطا کیا۔ اگر ہم اپنی راہ نمائی اور اپنا جذبہ قرآن مجید سے حاصل کریں تو میں یہ پھر کہتا ہوں کہ آخری فتح ہماری ہوگی۔''[14]

☆ اب آپ سب سے مجھے صرف یہی درکار ہے کہ آپ میں سے ہر کوئی جس تک میرا یہ پیغام پہنچے وہ اپنے آپ سے یہ عہد کرے کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے ضرورت پڑنے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے۔ ہم نے پاکستان کو ایک عظیم قوم بنانا ہے جس کا مقصود اندرونی امن اور بیرونی امن قائم کرنا ہو۔[15]

☆ ''آپ موت سے کبھی نہ ڈریں۔ ہمارا دین ہمیں یہ درس دیتا کہ موت کے لیے ہمہ وقت تیار رہیں۔ ہمیں اسلام اور پاکستان کی عزت کا پاس کرتے ہوئے بہادری سے اس کا سامنا کرنا چاہیے! ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑی وجہ نجات نہیں ہو سکتی کہ حق کی راہ میں جان قربان کر کے شہید ہو۔''[16]

☆ ''یاد رکھیے کہ ہم ایک ایسی ریاست بنا رہے ہیں جو ساری اسلامی دنیا کی تقدیر میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے گی۔ لہٰذا ہمیں ایک وسیع تر نکتہ نظر درکار ہوگا۔ ایک ایسا وسیع تناظر جو صوبائی حدود، تنگ نظر قوم پرستی اور نسل پرستی سے ماورا ہو۔''[17]

یکم جولائی 1948 کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب میں اپنے تاریخی خطاب میں قائداعظمؒ نے اقتصادی کارپردازوں کے لیے سنہرے راہ نما اصول بتائے۔ اور اس موضوع پر اپنے نظریات کی نہایت اعلیٰ بنیاد کی توجیہہ کرتے ہوئے فرمایا:

''میں آپ کے تحقیقاتی شعبے کے کام کا اس پہلو سے گہری دلچسپی سے مشاہدہ کروں گا کہ وہ معاشرتی اور معاشی زندگی کے اسلامی نظریات سے ہم آہنگ بینکنگ کا طریقہ کار کیسے وضع کرتا ہے۔

مغرب کے اقتصادی نظام نے انسانیت کے لیے لاینحل مسائل پیدا کیے ہیں۔ اور ہم میں سے بیشتر کا بھی خیال ہے کہ دنیا کو آج جن خطرناک حالات کا سامنا ہے اس سے کوئی معجزہ ہی اس کو بچا سکتا ہے۔ یہ انسان اور انسان کے درمیان انصاف قائم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اس سے بین الاقوامی میدان میں باہمی مزاحمت ختم نہیں ہوئی۔ مغربی دنیا اپنی تمام تر مشینی اور صنعتی ترقی اور بہتر کارگزاری کی صلاحیت کے باوجود جتنی قابلِ رحم حالت میں آج ہے اس سے پہلے کی ساری تاریخ میں کبھی نہ تھی! مغربی نظریات اور طریقۂ کار کو اپنا کر ہم اپنے عوام کو کبھی بھی اس منزل سے ہمکنار نہ کر سکیں گے جہاں وہ آسودہ حال اور مطمئن ہوں۔ ہمیں اپنے مقدر کا راستہ خود متعین کرنا ہوگا۔ ہمیں دنیا کو ایک ایسا معاشی نظام وضع کر کے دکھانا ہوگا جو اسلام کے اخوت آدمیت کے سچے جذبے اور سماجی انصاف پر مبنی ہو۔ اس طرح ہم بحیثیت مسلمان اپنے مشن کی تکمیل کر رہے ہوں گے اور انسانیت کو ایک ایسا پیغامِ امن دیں گے جو نہ صرف اس کی بقاء بلکہ بہبود، مسرت اور خوشحالی کا بھی ضامن ہوگا"۔[18]

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تعریف ــــ مولانا اشرف علی تھانوی کی زبانی

ملک حبیب اللہ نے جو قائداعظمؒ کے ایک پرستار ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پایہ کے محقق بھی ہیں اپنی کتاب "قائداعظمؒ کی شخصیت کا روحانی پہلو" میں قائداعظمؒ کی روحانیت کے بارے میں منتشر واقعات و حالات کو یکجا کر دیا ہے۔ اس نادر دستاویز نے لوگوں کی آگاہی کے لیے، کہ ان کا بے مثل سیاسی راہنما اس قابلِ فخر صنف کا مالک بھی تھا، ایک نہایت ضروری خلاء کو پُر کیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی (1863ء-1943ء) ایک برگزیدہ عالم اور صوفی لیکن مکمل طور پر غیر سیاسی شخصیت تھے جنہوں نے کبھی بھی کسی سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار نہ کی اور نہ ہی کسی سیاسی شخصیت سے کبھی کوئی رابطہ جوڑا۔ 1938ء میں امرتسر میں اپنے

مریدین کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مولانا تھانوی نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تعریف اور حمایت کر کے سب کو حیران کر دیا۔ انہوں نے فرمایا:

وہ ایک مخلص اور سچے مسلمان اور ہندوستانی مسلمانوں کے قابل ترین راہنما ہیں۔ ان کے اخلاص اور سچائی کی روشنی یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ ضرور کامیاب ہو کر رہیں گے! اللہ تعالیٰ جل شانہ، انہیں مسلمانوں کیلئے علیحدہ ملک قائم کرنے کا شرف ضرور عطا کرے گا۔ میں نے اپنے تمام مریدوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ہر بات اور ہر حال میں محمد علی جناحؒ کی حمایت کریں۔[19]

مولانا تھانوی نے جناحؒ کی زوردار حمایت کیوں کی؟ مولانا کے بھتیجے مولانا ظفر احمد عثمانی نے اس کی وضاحت کی۔ بقول ان کے ایک صبح مولانا اشرف علی تھانوی نے انہیں بلا کر کہا:

''مجھے خواب کبھی کبھار ہی آتے ہیں۔ لیکن گزشتہ شب مجھے ایک عجیب و غریب خواب آیا۔ مجھے ایک عظیم انبوہ نظر آیا۔ یوں لگا جیسے یہ یوم حشر ہے۔ اس ہجوم میں بزرگانِ دین، دانشور اور پرہیز گار حضرات کرسیوں پر فروکش ہیں۔ محمد علی جناحؒ عرب لباس میں ملبوس ان حضرات کے ہمراہ ہیں۔ میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا کہ اس گروہ میں یہ کیسے شامل ہیں۔ مجھے یہ آگاہی دی گئی کہ محمد علی جناحؒ عین اس وقت اسلام کی عظیم خدمت بجالا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے یہ مرتبہ عنائت کیا گیا ہے!''[20]

4 جولائی 1943ء کو مولانا تھانوی نے مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی (1885ء–دسمبر 1949ء) کو طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو کہا: ''*مجھے کشف ہوا ہے کہ اللہ جل شانہ محمد علی جناح کو کامیابی عطا کرے گا۔ 1940ء کی قرارداد*

پاکستان کامرانی سے ہمکنار ہوگی۔ میرے دن گنے جا چکے ہیں۔ اگر میں زندہ رہتا تو یقیناً ہاتھ بٹاتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی ہے کہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ ریاست نصیب ہو۔ آپ سے جو بھی بن پڑے قیامِ پاکستان کے لیے کریں۔ اپنے مریدین کو بھی ایسا ہی کرنے کے لیے کہیں۔ تم میں سے ایک عثمانی میری نمازِ جنازہ پڑھائے گا اور دوسرا محمد علی جناحؒ کی نمازِ جنازہ کی امامت کرے گا۔" [21]

ایک پُرتاثیر منظر کا مشاہدہ

مولانا تھانوی کی نمازِ جنازہ والی پیشین گوئی بھی حرف بحرف پوری ہوئی۔ مولانا حسرت موہانی (1857ء-1951ء) جو ایک ممتاز دانشور، اسلام کے عظیم خادم اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کے ساتھی تھے قائداعظمؒ کی مشغولیتِ دعا کے ایک ناقابلِ فراموش مشاہدہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

ایک دن میں نے جناحؒ صاحب کے بنگلہ پر ایک ضروری کام سے علی الصباح حاضری دی اور ان کے ذاتی خدمات گار کو انہیں مطلع کرنے کے لیے کہا۔ اس نے جواب دیا: "برائے مہربانی انتظار فرمائیں۔ اس وقت کسی کو بھی ان کے کمرہ میں جانے کی اجازت نہیں۔ وہ خود ہی تھوڑی دیر میں باہر تشریف لے آئیں گے۔" میرا کام بے حد اہم تھا۔ لہٰذا میں خدمت گار کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اندر داخل ہوگیا۔ پہلے ایک کمرہ میں گیا۔ پھر دوسرے میں داخل ہوا۔ عین اس وقت ملحقہ کمرے سے مجھے کسی کے بولنے اور سسکیاں بھرنے کی آواز آئی۔ یہ جناحؒ صاحب کی آواز تھی! مارے تشویش کے میں نے آہستہ سے پردہ سرکایا۔ مجھے جناحؒ صاحب سجدہ میں گرے نظر آئے۔ وہ اللہ کے حضور التجا کر رہے تھے۔ میں خاموشی سے واپس مڑا۔ دوستو! اب میں جب بھی کبھی جناحؒ صاحب کے بنگلے پر حاضری دیتا ہوں اور خدمتگار کہتا ہے کہ وہ اندر

موجود ہیں تو میری چشمِ نظارہ اس منظر کو فوراً دہرا دیتی ہے کہ جناحؒ صاحب سجدہ میں گرے آہ وزاری کرر ہے ہیں۔[22]

قائداعظمؒ کا اسلام کے لیے جوش و جذبہ

قائداعظمؒ کے گہرے اور وسیع دینی علم اور ان کے عمل میں اسلام کا عکس دیکھنے کے بارے میں جو دلفریب حکائتیں زبان زدِ عام ہیں ان میں سے ایک ان کے اے۔ڈی۔سی نوجوان فلائٹ لیفٹیننٹ عطا ربانی نے اپنی یادداشتوں میں محفوظ کر لی۔ وہ بیان کرتے ہیں:

''منگل 18 اگست 1947ء کو عید الفطر تھی جو اللہ تعالٰی کا مسلمانوں کا مہینہ بھر رمضان کے روزے رکھنے کا انعام ہے...... یہ پاکستان کے مسلمانوں کی پہلی عید تھی۔ قائداعظم صبح ہی صبح تیار ہو گئے اور جب میں پہنچا تو وہ سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: ''میں جلد تیار ہو گیا۔ ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیے!'' وہ خوشگوار موڈ میں تھے۔ بالکل جیسے نوجوانوں کو عیدگاہ جاتے ہم دیکھتے ہیں۔ وہ چستی سے کار کی جانب بڑھے اور ہم دونوں بندر روڈ پر واقع عیدگاہ کی جانب روانہ ہوئے (بندر روڈ اب ایم۔اے۔جناحؒ روڈ کہلاتی ہے) تاکہ وہاں عید کی نماز ادا کریں۔ میری یہ خوش قسمتی تھی کہ میں جناحؒ صاحب کے ہمراہ تھا جبکہ وہ خوش گوار اور بے فکری کے موڈ میں تھے۔ مجھے اس شخصیت کے ایک اور پہلو کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ ہم نے انہیں ایک راہنما، سیاستدان، قانون ساز، وکیل، خوش پوش اور خوش اطوار مغربی طرزِ زندگی والے انسان کے طور پر ہی دیکھا تھا۔ اس دن انہوں نے روزہ اور رمضان کے فلسفہ پر اپنے خیالات کا جس حکمت اور حسنِ بیان سے اظہار کیا اس نے مجھے خوش گوار حیرت عطا کی! جونہی ہم گورنر جنرل ہاؤس سے نکلے تو انہوں نے مجھے پوچھا کہ میں نے رمضان میں کتنے روزے رکھے۔ میرا جواب تھا ''تقریباً نصف جناب!'' انہوں نے فوراً کہا: ''پورے مہینے کیوں نہیں؟ نصف کیوں؟ تم تو

نوجوان اور صحتمند ہو!" میں نے عاجزی سے جواب دیا "میں زیادہ تر سفر میں تھا، جناب!"

"اب جب کہ تم مقیم ہو تو تمہیں بقیہ گنتی پوری کر لینی چاہیے!" ان کا مشورہ ایک حکم کی مانند ہی تھا۔ اس کے بعد انہوں نے روزوں کی اہمیت میں پنہاں فلاسفی پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ان کا فرمانا تھا کہ مذہبی جذبے اور روحانی تطہیر کے علاوہ "روزہ رکھنے سے انسانیت کو تنظیم، ضبطِ نفس اور عبادت کا سبق ملتا ہے۔ سارا مہینہ ہر بدی سے اجتناب کرنے سے اسے بقیہ سارا سال بدی کا مقابلہ ہمت اور عزم سے کرنے کا حوصلہ حاصل ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ جسم کے لیے اصلاح اور بہتری کا سبب بھی بنتا ہے۔ لیکن ہمیں افطار پر ذرا دھیان کرنا چاہیے۔ اس میں ڈسپلن کا تقاضا یہی ہے کہ انسان پُرخوری کر کے دن میں کی گئی خوراک کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرے۔"

میرا تعلق ایک قدامت پسند دینی خاندان سے ہے۔ میں نے تعلیم اسلامیہ ہائی سکول جالندھر، ایم۔اے۔او۔کالج امرتسر اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں حاصل کی تھی۔ میں اپنے علم دین کے اساتذہ کی قدر کرتا ہوں لیکن مجھے یہ کہنا پڑے گا کہ مجھے ساری زندگی کسی نے بھی روزوں کے فوائد اور رموز—— روحانی اور جسمانی دونوں سے —— اس قدر وضاحت اور دلپذیری سے آگاہ نہیں کیا تھا جیسے قائداعظمؒ نے کیا![23]

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی واحد تمنا!

دہلی میں 22 اکتوبر 1939ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ سے خطاب کرتے ہوئے جناحؒ صاحب نے ایک یادگار بیان دیا۔ یہ ایک انتہائی پرتاثیر بیان تھا جو اسلام کے ساتھ ان کی روحانی وابستگی اور مسلمانوں کی خاطر جس مشن کا بیڑہ انہوں نے اٹھایا تھا اس کا مظہر تھا۔ بقول ان کے یہ ان کی زندگی کی اکلوتی تمنا تھی! ان کا یہ بیان اردو میں

شائع ہوا۔ عامۃ المسلمین کو عمومی طور پر خطاب کرتے ہوئے جناح صاحب نے فرمایا:

"مسلمانو! میں نے دنیا بہت دیکھی ہے۔ بہت شہرت و دولت حاصل کی۔ اب مجھے زندگی میں ایک ہی تمنا ہے۔ کہ میں مسلمانوں کو آزاد اور خود مختار دیکھوں۔ میری خواہش ہے کہ جب میں مروں تو مجھے یہ تسلی اور ایمان حاصل ہو کہ میرا ضمیر اور میرا خدا اس بات کے گواہ ہوں کہ جناح نے اسلام سے بے وفائی اور غداری نہیں کی۔ اسنے مسلمانوں کو آزادی دلانے، ان کا دفاع کرنے اور منظم کرنے میں اپنا فرض پورا پورا ادا کیا۔ مجھے آپ سے کسی تعریف و توصیف اور گواہی کی ضرورت نہیں۔ میری خواہش ہے کہ دم واپسیں میرا دل، میرا ایمان اور میرا ضمیر یہ گواہی دے کہ جناح! تم نے اسلام کے دفاع کا حق ادا کر دیا۔ جناح! تم نے مسلمانوں کے دفاع، تنظیم اور اتحاد پیدا کرنے کا فرض ادا کر دیا۔ میرا خدا یہ کہے کہ: بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور مسلمان ہی مرے۔ تم نے کفر کی طاقتوں کے مقابلے میں اسلام کا پرچم سربلند رکھا۔"[24]

اس چونکا دینے والے اور دلپذیر بیان کے بارے میں جو سوال اٹھتے ہیں ان کا مختصراً بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ یہ بیان 1999ء میں پہلی مرتبہ ملک حبیب اللہ کی متذکرہ بالا کتاب میں میری نظر سے گزرا۔ اس میں بطور حوالہ روز نامہ *انقلاب* لاہور کے 22 اکتوبر 1939ء کے شمارہ کا ذکر تھا۔ قائداعظمؒ کے بارے میں ان کی پیدائش اور وفات کی برسی پر کئی دہائیوں سے نہایت باقاعدگی کے ساتھ لگاتار شائع ہونے والے مضامین اور خصوصی اخباری فیچروں میں اس نہایت اہم بیان کا موجود نہ ہونا بہت حیران کن تھا۔ شروع شروع میں اس بیان کے انگلش متن اور اُردو اخبار میں اس کے اصل متن کی تلاش بے ثمر رہی۔ میں نے کچھ متعلقہ دانشوروں اور اداروں سے تحریری رابطہ کیا۔ ان میں سے چند حضرات نے مفید اشارے دیئے لیکن حتمی جواب کسی سے بھی موصول نہ ہوا۔

کچھ نے تو یہ شک بھی ظاہر کیا کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ اس طرح کا بیان نہیں دے سکتے۔

اس زمانے کے انگریزی روزناموں میں اس بیان کا شائع نہ ہونا تو سمجھ میں آجاتا ہے کیونکہ یہ روزنامے زیادہ تر ہندو کانگرس کی ملکیت تھے یا برطانوی انڈیا کی سامراجی انتظامیہ کی۔ مسلمانوں کا کوئی انگریزی اخبار نہیں تھا۔ میرے لیے بہرحال اس بیان کی صحت تسلیم کرنے کے لیے اس کے اصلی اُردو متن کا مشاہدہ لازمی تھا۔ خوش قسمتی سے قائداعظمؒ لائبریری لاہور میں روزنامہ *انقلاب* کی متعلقہ فائلیں مائیکروفلم پر دستیاب تھیں۔ ان میں مجھے قائداعظمؒ کا یہ مسلمہ بیان مل گیا۔ بعد ازاں نظریۂ پاکستان فاؤنڈیشن کی وساطت سے مجھے روزنامہ *انقلاب* کے اس صفحے کی فوٹو کاپی بھی مل گئی جس میں یہ بیان شائع ہوا تھا۔

میرا خیال ہے کہ اگر ایک ہمہ گیر تحقیقی مہم بروئے کار لائی جائے تو کچھ دوسرے جرائد، روزنامے یا پھر کوئی مخصوص دستاویز یا دوسری یادداشتیں ضرور دریافت ہوسکتی ہیں جن میں یہ بیان درج ہو۔ علاوہ ازیں ایسی تحقیق سے اس راز پر سے بھی پردہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ کب اور کس طرح روزنامہ ''*انقلاب*'' کی یہ کہانی آشکارا ہوئی؟ اور پاکستانی عوام کو پچاس برس تک اس سے لاعلم کیوں رکھا گیا؟

مجلسِ عاملہ کی یہ میٹنگ دراصل وائسرائے کے ایک تازہ ترین بیان پر مسلم لیگ کے ردِعمل کا فیصلہ کرنے کے بارے میں بلائی گئی تھی۔ قائداعظمؒ صاحب نے اپنے بیان کے آخر میں ان ولولہ خیز جذبات کا اظہار کیا۔ اس سے نہ صرف ان کے اس پختہ عزم اور جوشیلے جذبے کا اظہار مقصود تھا جو انہوں نے اس اہم مشن کی ذمہ داری خود اٹھا کر کیا تھا بلکہ اس بیان نے ان لوگوں کے منہ بھی بند کردیئے جو کہتے تھے کہ جناحؒ صاحب کو بھلا مذہب

سے کیا سروکار؟ وہ تو سیکولر ذہن رکھتے ہیں وغیرہ۔

اخبار کی خبر کے متن میں یہ بھی درج تھا کہ ''عینی شاہدین کے بیان کے مطابق مسٹر جناحؒ کے منہ سے ان پر تاثیر الفاظ کو سن کر اکثر حاضرین آبدیدہ ہو گئے تھے۔''

باب 3

اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی دوسری مملکت

دنیا میں اسلام کے نام پر قائم ہونے والی پہلی مملکت مدینہ تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اسے خود قائم کیا تھا۔ بعد ازاں دنیا نے کئی عظیم اسلامی سلطنتوں اور مسلم بادشاہتوں کا نظارہ کیا جہاں اسلامی اصولوں کے ماتحت حکومت کی جاتی تھی۔ تاہم یہ تمام ایسے مما لک میں قائم ہوئیں جو پیشتر ہی سے اپنی ایک جداگانہ جغرافیائی اور سیاسی حیثیت رکھتے تھے۔ درحقیقت ان مما لک نے اپنے قدیم نام مسلم بادشاہتوں میں تبدیل ہو جانے کے بعد بھی قائم رکھے۔ کوئی بھی نئی ریاست کسی بھی خطے میں اسلام کے نام پر وجود میں نہ آئی۔

مدینہ کے اوّلین مسلم ریاست کے نقشۂ عالم پر نمودار ہونے کے 1365 ھ سال بعد اللہ تعالیٰ کی حکمت سے انسانیت کے لیے پاکستان کا ظہور ہوا۔ اس وقت تک موجود تمام مسلمان مما لک یا تو اپنی اسلامی روح سے بیگانہ ہو چکے تھے یا پھر اپنی آزادی سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ ایسے وقت اس دوسری ریاست کا اسلام کے نام پر ظہور ہوا۔

اس ریاست کی پیدائش عین 27 رمضان المبارک جمعہ کے مبارک دن ہوئی۔ پاکستان کا قیام اس انتہائی مبارک دن ہونا اور اسے مدینہ کی ریاست کے جانشین کے طور پر چنا جانا اس امرِ ربانی کی چھاپ کا مظہر ہے۔ یہی چیز ہمیں اس نئی اسلامی ریاست کے لیے ایک منفرد اور شاندار نام یعنی ''پاکستان'' چنے جانے میں بھی نظر آتی ہے۔ اسے یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ دنیا کے تمام مسلم مما لک میں سب سے پہلے اس نے 1956ء میں اپنے آپ کو باقاعدہ رسمی طور پر ایک ''اسلامی ری پبلک'' کا نام دیا۔

پاکستان کے نام کی انفرادیت وندرت

اس منفرد ملک کے لیے ایک منفرد نام کس نے تجویز کیا۔ یہ ایک دلچسپ حکایت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نام ایک پُرجوش مسلم قوم پرست چوہدری رحمت علی (ولادت 1897ء .16.11 –وفات 1951ء3فروری 1951ء) کا تجویز کردہ ہے جو 1930ء کے اوائل میں کیمبرج میں زیرِتعلیم تھا۔ لیکن اس کا خیال اس بارے میں یہ تھا کہ برطانوی ہند میں انگریزوں کے تسلط کے خاتمے پر مسلمانوں کو ایک نہیں بلکہ دس مسلمان ریاستوں کو قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ رحمت علی کے خیالات غیرحقیقی اور غیر دانشمندانہ تھے۔ اس نے قائداعظمؒ اور مسلم لیگ کی دورانِ تحریکِ پاکستان لگاتار مخالفت کی تھی۔ اس کے باوجود پاکستانی اس کا احترام کرتے تھے۔ کئی دہایاں گزر جانے کے بعد پاکستانیوں کو معلوم ہوا کہ ملک کے نام یعنی ''پاکستان'' کو تجویز کرنے والے ایک دوسرے صاحب، خواجہ عبدالرحیم تھے، گو جب یہ نام تجویز کیا گیا تو چوہدری رحمت علی بھی وہاں موجود تھے۔

یہ بات 25اکتوبر 1983ء کو ڈاکٹر محمد جہانگیر خان کے ایک بیانِ حلفی سے پردۂ ظہور پر آئی۔ عوام کو اس کی تفصیل کا روزنامہ ''نیشن'' کی 9فروری 2005ء کی اشاعت سے علم ہوا جب اس بیانِ حلفی کو بمعہ اس کی عکسی تصویر کے شائع کیا گیا۔

ڈاکٹر جہانگیر خان—– ایک سابقہ کرکٹر—– اُس آل انڈیا کرکٹ ٹیم کے ممبر تھے جس نے 1932ء میں انگلستان کا دورہ کیا تھا۔ اس دورہ کے خاتمے پر انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا تھا۔ ان کی کیمبرج میں رہائش گاہ اس جگہ سے بمشکل سوگز دور تھی جہاں چوہدری رحمت علی رہتے تھے۔ بقول ان کے چوہدری رحمت علی اور ایک انڈین سول سروس کے لیے زیرِتربیت افسر خواجہ عبدالرحیم، جہانگیر خان کے ہمراہ ڈاکٹر محمد اقبال کی

عیادت کے لیے گئے جو 1931ء کے ستمبر میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن آئے ہوئے تھے۔

"ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں گفتگو کے دوران اس محفل میں خواجہ عبدالرحیم نے مسلم اکثریتی صوبوں کے گروپ کے لیے 'پاکستان' کا نام تجویز کیا۔ تھیوری یہ تھی کہ 'پ' پنجاب سے، 'ا' صوبہ سرحد کو افغانیہ کے قدیم نام سے پکارنے پر 'ک' کشمیر سے 'س' صوبہ سندھ سے اور 'تان' بلوچستان سے لے کر مرکب کرلیا جائے۔ ڈاکٹر اقبالؒ نے اس نوجوان انڈین سول سروس پروبیشنر سے کہا وہ یہ نام اور تفصیل لکھ کر ان کے غور کرنے کے لیے چھوڑ جائیں۔ خواجہ عبدالرحیم نے یہ کاغذ علامہ محمد اقبالؒ کے سرہانے رکھ دیا۔ اگلے دن جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو ڈاکٹر اقبالؒ نے کہا کہ بڑی احتیاط سے جائزہ لینے اور غوروخوض کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ اس مجوزہ نام سے کلی طور پر اتفاق کرتے ہیں اور انہوں نے اس تجویز کے لیے عبدالرحیم کے حق میں دعائے خیر فرمائی"۔[25]

عنایاتِ ربّانی

بیسویں صدی کے وسط میں دنیا کے نقشے پر ایک بڑی مسلم ریاست کا ابھرنا دنیاوی لحاظ سے ایک بہت بڑا چیلنج اور عظیم اور کارنامہ تھا۔ اس تبدیلی کے لیے دو عناصر لابدی تھے۔ اولاً یہ کہ غلام ہندوستانی مسلمانوں کو اس جدوجہد کے لیے ذہنی اور اخلاقی طور پر تیار کیا جائے۔ اور ثانیاً یہ کہ اس جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے انہیں باہنر اور عزمِ صمیم رکھنے والے راہنما مہیا کئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں محمد اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ عنایت کئے اور انہیں یہ خصوصی صلاحیت بخشی کہ ان دوضرورتوں کی تشفی کے لیے تمام متفرق قوتوں کو مجتمع کرنے اور حرکت میں لانے کے لیے ہراول دستے کا کام کریں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں گہری بصیرت عطا کی اور انہیں یہ جذبہ عطا کیا کہ وہ ساری مسلم امت میں ولولہ جگا کر دنیا میں اسلام کی سیاسی، اقتصادی، سماجی اور روحانی طاقت کی نشأۃ ثانیہ کا علَم پھر سے بلند کریں۔ قیامِ پاکستان میں مشیتِ ایزدی کے دخل کا ایک واضح ثبوت یہی دو شخصیات ہیں جنہیں حق کی طرف سے خصوصی ذہنی صلاحتیں عطا کرنے کے بعد یہ عظیم کام سونپا گیا تھا۔

اس منفرد ملک کے قیام میں اللہ تعالیٰ کی یہ نوازشات جو اس قدر عیاں تھیں پاکستانیوں کے دلوں میں یہ جذبہ اور احساس ابھارنے کے لیے کافی ہونی چاہئیں تھیں کہ وہ ایک برگزیدہ قوم ہیں اور دنیا میں اُن سے کچھ کام لیا جانا مطلوب ہے۔ انہیں اپنے اللہ کا ابدی شکرگزار ہونا چاہیے اور اپنے ملک اور خود اپنے آپ پر بے پایاں اعتماد ہونا چاہئے۔

کلیتًا واضح علاماتِ ربانی

اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کو پاکستانی قوم پر وارد ہونے والی مشکلات اور حالات کے جبر کا پورا اندازہ تھا۔ ایک غلام قوم کو آزادی پالینے کے باوجود ایک دو نسلیں گزار کر ہی خوئے غلامی سے چھٹکارہ حاصل ہوتا ہے۔ اسے علم تھا کہ یہ نوزائیدہ ملکیت جلد ہی اپنے عظیم راہنما سے محروم ہوجائے گی۔ اور چند سالوں کے اندر اندر اس کی ٹیم کے بیشتر اراکین راہی عدم ہوں گے۔ ملک کی قیادت اور حکومت غیر ملکی طاقتوں کے گماشتوں کے ہاتھوں آجائے گی۔پاکستان کے دشمنوں کا پروپیگنڈہ اندرون وبیرون ملک لوگوں کو یہ باور کرانے لگے گا کہ ہمارا ملک اسلام کے نام پر نہیں بلکہ اقتصادی وجوہات کی بنا پر وجود میں آیا۔ نہایت ہوشیاری اور مکارانہ پروپیگنڈہ سے انہیں اپنے ملک کے مستقبل سے نا اُمید کروانے کا کام کیا جائے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قیام پاکستان پر ایک انمٹ ربانی مہر کی چھاپ کا ایسے انداز میں انتظام کیا کہ پاکستانیوں کو کبھی ذرّہ بھر شک نہ ہو کر ان کے ملک کا مشیت ایزدی میں ایک خاص مقام اور ایک مخصوص مقصد ہے۔

بہر حال یہ ایک عام فانی انسان کی منطق ہے۔ یہ صرف اس ذاتِ باری ہی کو معلوم ہے کہ اس نے یہ ملک عین اس دن کیوں تخلیق کیا جو اسی کے اعلان کے مطابق انتہائی مبارک ہے اور بڑی عظمت کا حامل ہے اور اس نے اس معاملے میں اپنی دخل اندازی کو کیوں اس قدر واضح اور نمایاں بنایا!

ایک بابرکت تاریخ

تخلیقِ پاکستان کے لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے بابرکت دن اور اس میں بھی سب سے متبرک ساعت چُنی! اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے؟ یہ رمضان کا مبارک مہینہ تھا۔ آخری جمعہ کا متبرک دن اور متبرک ترین ساعت یعنی نصف شب! عین اس وقت جب گھڑیال نے ریڈیو پر رات کے بارہ بجے کی نوبت بجائی کہ نیا دن اور نئی تاریخ شروع ہے تو مشیّتِ ایزدی کی تخلیق کردہ ریاستِ پاکستان کے وجود میں آنے کا اعلان کیا گیا۔ یہ مقررہ تاریخ جمعۃ الوداع 27 رمضان المبارک 1366 ہجری بمطابق 15 اگست 1947ء تھی۔

یہ تاریخ کس نے طے کی؟ مسلم لیگ، ہندو کانگرس یا لندن کی حکومت برطانیہ نے نہیں! یہ تاریخ اس وقت کے وائسرائے ریئر ایڈمرل لوئی ماؤنٹ بیٹن نے طے کی تھی۔ کئی سال بعد ایک انٹرویو میں اس سے دریافت کیا گیا کہ اس نے یہ خاص تاریخ کیوں طے کی تھی؟ اس کا جواب تھا: ''*میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے 15 اگست کی تاریخ کو اس لیے چنا کیونکہ (دو سال قبل) جاپانیوں نے سنگاپور میں اس دن ہتھیار ڈالے تھے۔*''[26] ماؤنٹ بیٹن جنوب

مشرقی ایشیا میں اتحادی فوجوں کا کمانڈر تھا جب جاپان کے ہتھیار ڈالنے کی شرائط تسلیم کرنے پر دوسری عالمی جنگ تمام ایشیا میں حسب ضابطہ 15 اگست 1945ء کو ختم ہوئی تھی۔

ایک سنسنی خیز دلنشین انکشاف

اس حقیقت کا ادراک ہوتے ہی میرے سراپا میں گویا بجلی کوند گئی۔ میں فوراً جان گیا کہ پاکستان کا 27 رمضان کو دنیا میں نمودار ہونا کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا بلکہ یہ امر ربی کے مطابق ایک پہلے سے طے شدہ منصوبہ تھا۔

برطانوی ہند کے جنوری تا جون 1947ء کے تہلکہ خیز واقعات نے ہندوستان کی تقسیم کی جانب پیش قدمی کو ایک پہاڑی برفانی طوفان میں تبدیل کردیا تھا۔ اور یہ واقعات اور دوسری عالمی جنگ کے آخری ایام میں ایشیا کے محاذ پر گذرے ہوئے واقعات میری نظروں میں ایک فلم کی مانند گذرنے لگے! مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے میں خود اس بات کا مشاہدہ کررہا ہوں کہ تقدیر کس طرح واقعات کے دھارے کو مشیت ایزدی کی جانب دھکیل رہی تھی! مجھے افسوس ہوا کہ میں اپنے ملک کی تخلیق کے اس معجزانہ پہلو سے اتنے عرصے تک غافل کیوں رہا!

درِ حیرت کا مزید وا ہونا!

اُس مرحلے پر اس انکشاف کے بارے میں میری معلومات تا حال نامکمل تھیں۔ تاہم مجھے یہ یقین کامل تھا کہ جو حیرت انگیز انکشاف مجھ پر ہوا ہے اس کی صداقت کے لیے یہ کافی تھیں۔ دراصل درِ حیرت مجھ پر ابھی مزید وا ہونا تھا۔ جوں جوں میں متعلقہ تاریخی مواد کا گہرا جائزہ لیتا گیا تو برطانوی ہند کے آخری ایام میں یعنی ویول کے بطور وائسرائے

فارغ کیے جانے سے لے کر تقسیم کے وقت تک ہر موڑ پر حیران کن واقعات میرے علم میں آتے رہے۔ صاف ظاہر تھا کہ اگر مشیت ایزدی کا دخل نہ ہوتا تو حالات ایسا موڑ نہ لیتے جیسا کہ حقیقتاً ہوا!

سلسلۂ واقعات مقدر کے ہاتھوں ڈھلا

ویول کی جگہ ماؤنٹ بیٹن

حالات کا یہ قافلہ جسے نصف شب 15 اگست 1947ء کو ''بہ منزل پاکستان'' پہنچنا تھا درحقیقت دسمبر 1946ء میں روانہ ہوا تھا۔ 18 دسمبر کو برطانوی وزیراعظم کلیمنٹ ایٹلی (1883ء-1967ء) نے ماؤنٹ بیٹن کو 10 ڈاؤننگ سٹریٹ طلب کر کے اسے بطور وائسرائے ہندوستان، لارڈ ویول کا جانشین، بننے کی دعوت دی۔[27] فیلڈ مارشل آر چی بالڈ پرسی وال ویول (1883ء-1950ء) اکتوبر 1943ء سے ہندوستان کا وائسرائے تعینات تھا اور اس سے فوراً پیشتر دو برس تک وہ جنوب مشرقی ایشیا کا کمانڈر انچیف رہ چکا تھا۔ ہندوستان میں انتقالِ اقتدار کے نازک مسئلے پر کانگرس اور مسلم لیگ کے ساتھ طویل اور پیچیدہ مذاکرات میں اسی نے برطانوی امپریل پالیسی کی باگ ڈور تھامے رکھی تھی۔ ہندوستان کی سیاست اور سیاستدانوں کے بارے میں آگاہی ویول سے زیادہ کسی اور برطانوی کو حاصل نہ تھی۔ ''*وہ کانگرس کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتا تھا*''[28] ویول کو اپنے تبادلے کی امید نہ تھی۔[29]

اس اہم اور حساس موڑ پر ویول کو یوں تبدیل کرنے کے لیے کوئی معقول وجہ نہ تھی۔ خصوصاً جبکہ برطانوی حکومت جلد ہی اصولی طور پر یہ فیصلہ کرنے والی تھی کہ آئندہ اٹھارہ ماہ

کے اندر زمامِ اقتدار ہندوستانیوں کے حوالے کردی جائے۔ اگر کانگرس کے راہنماؤں نے ویول سے مایوس اور بددل ہوکر لندن میں یہ مہم چلائی کہ اسے فارغ کر کے ماؤنٹ بیٹن کو تعینات کیا جائے تو ان کے رویے میں یہ تبدیلی 1946ء کے عین اوخر میں آئی۔ یہی وہ وقت تھا جو مشیت ایزدی کو اس تبدیلی کے لیے منظور تھا! قدرت کو ویول کے وائسرائے ہونے کا خاتمہ منظور تھا۔ انڈیا سے اس کا چلے جانا اس کا مقدر ٹھہر چکا تھا۔ اس عہدہ کے لیے ایک مختلف شخص درکار تھا جو برطانوی ہند میں سیاسی اتار چڑھاؤ اور تیز رفتار تبدیلیاں لانے والے پیش آمدہ واقعات کا کنٹرول سنبھالے۔

اب مشکل یہ آن پڑی کہ ماؤنٹ بیٹن کو یہ تقرری منظور نہ تھی۔ *''اس کی شدید خواہش واپس بحریہ میں جانے کی تھی!''* [30] ایلن کیمبل جانسن رقمطراز ہے کہ *''ماؤنٹ بیٹن کی بحریہ میں واپسی کی ذاتی اور ایک عرصے سے رکی ہوئی آرزو کی تکمیل کے لیے معاملات ہموار کیے جاچکے تھے۔ اسے اپریل 1947ء میں ریئر ایڈمرل کی حیثیت سے بحریہ کے فرسٹ کروزر سکواڈرن کے کمانڈر کا عہدہ سنبھالنا تھا۔''* [31] یہ بات زبان زدِ عام تھی کہ وہ برطانوی بحریہ میں 'ایڈمرل آف دی فلیٹ اور فرسٹ بحری لارڈ' بننے کا شدید خواہشمند تھا تاکہ وہ اپنے والد گرامی کا ریکارڈ برابر کر سکے جو ان دونوں ممتاز عہدوں پر رہ چکا تھا۔

کیمبل جانسن مزید رقم طراز ہے کہ: *''ماؤنٹ بیٹن نے مجھے بتایا کہ اس نے وزیراعظم کی چکنی باتوں اور دھمکیوں کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ اس نے اپنی گہری تھکن، جوانی ہی میں ذمہ داری کے بوجھ تلے دبا دیئے جانے کی حماقت، اور اپنے پیشہ ورانہ فرائض سے بیدخل کیے جانے جیسے دلائل کا سہارا لیا اور کہا کہ وہ ملک کے لیے سب سے زیادہ مفید کام بحریہ ہی میں رہ کر انجام دے سکتا ہے''* [32]۔

لیکن قدرت کی طرف سے اس کے وائسرائے چنے جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا لہٰذا کوئی بھی عذر آڑے نہ آیا! ”ایٹلی نے یکم جنوری کو ماؤنٹ بیٹن سے مکرر یہ درخواست کی کہ وہ وائسرائے کی ذمہ داری قبول کر لے۔“ [33] دو دن بعد اس نے یہ پیشکش قبول کر لی۔ ماؤنٹ بیٹن کی دہلی میں تعیناتی کو عمل میں لانے کے لئے غیر مرئی طاقتوں نے دیگر دنیاوی مہرے بھی استعمال کئے۔ متعلقہ دستاویزاتی شواہد کا مطالعہ یہ ظاہر کرے گا کہ ماؤنٹ بیٹن کو یہ پیشکش کئے جانے کے فوراً بعد نہرو، کرشنا مینن اور سٹیفورڈ کرپس نے بھی ایٹلی اور اس کی کابینہ کے ممبران سے خفیہ طور پر یہ سفارش اور حمایت کی کہ ویول کی جگہ ماؤنٹ بیٹن کا تقرر کیا جائے۔ یاد رہے کہ 18 مارچ 1946ء کو اپنی سنگاپور یاترا کے دوران نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ دوستی کا رشتہ استوار کر لیا تھا۔

جون 1948 سے قبل انڈیا سے انخلاء کا برطانوی فیصلہ

20 فروری 1947ء کو ایٹلی نے ہاؤس آف کامنز میں ایک غیر معمولی پالیسی بیان دیا، جس میں یہ تاریخی فیصلہ درج تھا! ”......ہز میجسٹی کی حکومت یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اس کا مصمّم ارادہ ہے کہ وہ ایسے اقدامات اٹھائے جن کا مقصد یہ ہو کہ ہندوستان میں ذمہ دار ہاتھوں میں اقتدار کی منتقلی جون 1948ء سے پیشتر عمل میں آ جائے ......لہٰذا یہ بے حد ضروری ہے کہ تمام جماعتیں اپنے اختلافات کو بھلا کر آئندہ سال آنے والی اس عظیم ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے تیار ہو جائیں“ [34]۔

یہ ایک بے حد اہم تاریخی موڑ تھا۔ حالات نے فوراً ایک گھمبیر کروٹ لی۔ اب حالات قیامِ پاکستان کی جانب تیزی سے رواں دواں تھے۔ بقول کیمبل جانسن:

”حکومت کے 20 فروری کے اعلان کا ایک بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ کانگرس ہائی کمانڈ ہندوستان

کی تقسیم کے فیصلے کو ناگزیر ماننے پر مجبور ہوگئی۔۔۔۔۔ عبوری انتظامیہ کے دو بڑے کانگرسی رہنماؤں یعنی نہرو اور ولبھ بھائی پٹیل نے یہ سمجھ کر تقسیم کو قبول کرلیا کہ اس طرح انہیں جناح کو پاکستان دے کر ہمیشہ کے لیے اس سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔۔۔۔۔ تقسیم بلاشبہ ایک بہت بڑا المیہ ہے لیکن اس سے بڑا المیہ یہ ہوگا کہ 10 کروڑ مسلمانوں کی عظیم اکثریت پر ایک ایسا اتحاد ٹھونسا جائے جو انہیں منظور نہ ہو۔"[35]

کانگرس اور لیگ نے اس واضح برطانوی بیان کا خیر مقدم کیا۔ تمام سیاسی جدوجہد کا محور یہی قرار پایا۔ اور سیاسی منظر خاصا واضح ہوگیا۔ بقول والپرٹ :

"کانگرس اب پاکستان کو تسلیم کرنے پر آمدہ تھی جس میں صرف مسلم اکثریتی اضلاع شامل ہوں۔ لیکن بہر حال پاکستان تو تھا!" قائداعظمؒ نے 12 مارچ کو بمبئی میں صحافیوں کو بتایا: "ایک وہ بھی وقت تھا کہ پاکستان کے خیال کو تمسخر کا نشانہ بنایا جاتا تھا لیکن یاد رکھیے! کوئی دوسرا ایسا حل ہے ہی نہیں جو ہماری قوم کو سرخرو کرے اور عزت بخشے۔۔۔۔۔ ان شاءاللہ ہم پاکستان لے کر رہیں گے!"[36]

ماؤنٹ بیٹن کی سرتوڑ مصروفیات

ایٹلی نے 18 مارچ کو ماؤنٹ بیٹن کو الوداعی ہدایت دیتے ہوئے کہا: *"اگر یکم اکتوبر تک آپ کو ایک متحدہ حکومت قائم کرنے کی بنیاد پر سمجھوتہ ہوتا نظر نہ آئے تو آپ وہ اقدامات تجویز کریں جو آپ کے خیال میں وقت مقررہ پر انتقال اقتدار کرنے کے لیے ضروری ہوں۔"* [37]

ماؤنٹ بیٹن 22 مارچ 1947ء کو دہلی پہنچا جہاں وہ ویول سے ملا۔ دونوں نے باہم اتفاق کیا کہ یہ اشد ضروری ہے کہ *"ہندوستانی سیاستدان اس کا ادراک کریں کہ*

جون 1948 تک انتقالِ اقتدار کے لیے کس قدر کم عرصہ میسر ہے"[38] ۔ ماؤنٹ بیٹن نے 24 مارچ کو نئے عہدے کا حلف اٹھایا اور ویول کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو گیا۔

24 مارچ سے لے کر 10 اپریل تک ماؤنٹ بیٹن نے نہرو، لیاقت، گاندھی اور جناحؒ کے ساتھ طوفانی ملاقاتیں کیں۔ جناحؒ سے وہ 5 اپریل کو پہلی مرتبہ ملا۔[39] وہ آواخر اپریل تک ان ملاقاتوں میں مصروف رہا۔ اس کی نگاہیں یکم جون 1948ء پر مرکوز تھیں۔ یہ وہ تاریخ تھی جس سے قبل انتقالِ اقتدار اور برطانوی انخلاء تکمیل پذیر ہونا تھا۔ یہ تاریخ بھی اس کا اپنا ہی خیال تھا کیونکہ 20 فروری کے اعلان کے مسودے میں اس کا ہاتھ تھا۔[40] لیکن اب اس کے خیالات میں اچانک تبدیلی آئی۔ کوئی شدید عجلت اس کے دماغ پر حاوی ہو گئی۔ انتقالِ اقتدار کی ایک نئی سکیم معرضِ وجود میں آئی!

برطانوی فیصلے میں اچانک تبدیلی

مئی 1947ء کے اوائل میں ماؤنٹ بیٹن نے اپنے چیف آف سٹاف ہیس ٹنگز لائینل اسمے کو نئے مسودہ کے ساتھ لندن بھجوایا۔ برطانوی کابینہ نے اسے چند معمولی تبدیلیوں کے ساتھ منظور کر کے ماؤنٹ بیٹن کو بذریعہ تار ارسال کر دیا۔ نہرو اس وقت شملہ میں ماؤنٹ بیٹن کا مہمان تھا۔ اس نے نہرو کو یہ مسودہ دکھا دیا۔ نہرو نے کئی نکات پر شدید اعتراض کیا۔ جس پر ماؤنٹ بیٹن نے یہ پلان تبدیل کر لی اور 18 مئی کو خود اسے لے کر لندن پرواز کر گیا۔

وہاں وہ دو ہفتے رہا جس کے دوران اس نے اٹیلی اور حزبِ اختلاف کے رہنما ونسٹن چرچل کے علاوہ کئی دیگر اعلیٰ رہنماؤں سے بھی گفت و شنید کی۔ اس کی پلان منظور کر لی گئی۔ اور وہ 31 مئی کو اسے ہمراہ لے کر دہلی واپس پہنچ گیا۔

2 جون 1947ء بروز پیر ہندوستانی لیڈران وائسرائے ہاؤس میں جمع ہوئے۔ *''لندن سے واپس لائی گئی اس پلان پر ان لیڈران کی بریفنگ پر صرف 2 گھنٹے لگے''*[41]۔ 3 جون کو دوبارہ ان لیڈران کی ملاقات ماؤنٹ بیٹن سے ہوئی۔ ''ماؤنٹ بیٹن پلان کا رسمی اعلان 3 جون 1947ء کو 7 بجے شام ریڈیو کیا گیا۔ اس کا عنوان تھا ''برطانوی حکومت کی 3 جون پلان''۔ اس کا آغاز یوں تھا:

''20 فروری 1947ء کو ہز میجسٹی کی حکومت نے برطانوی ہند میں جون 1948 تک انتقالِ اقتدار ہندوستانی ہاتھوں میں سونپنے کے ارادہ کا اعلان کیا تھا۔ ہز میجسٹی کی حکومت کو اُمید تھی کہ بڑی پارٹیاں 16 مئی 1946ء کی کیبنٹ مشن پلان پر عمل کرنے کے لیے باہم تعاون کریں گی اور ہندوستان کے لیے ایک ایسا دستور مرتب کریں گی جو تمام متعلقہ فریقین کو منظور ہو یہ اُمید بر نہیں آ سکی......''۔

''ہز میجسٹی کی حکومت کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ انتقالِ اقتدار ہندوستان کے اپنے باشندوں کی حسبِ منشا ہو...... ہندوستانی سیاستدانوں کے ساتھ تفصیلی مشوروں کے بعد ہز میجسٹی کی حکومت نے اس مقصد کے لیے اس پلان پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے''۔[42]

برطانوی اعلان میں اس کے بعد لوگوں کی رائے معلوم کرنے، بعض صوبوں کی تقسیم، دستور ساز اسمبلیوں کے قیام وغیرہ کی تفاصیل درج تھیں۔ پلان میں عجلت کی اہمیت پر زور دیا گیا تھا کہ ''مندرجہ بالا اقدامات کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے''۔ پلان میں کسی تاریخ کا ذکر نہ تھا۔ تاہم ہز میجسٹی کی حکومت نے اس موضوع پہ جو کہا وہ دلچسپی سے خالی نہ تھا:

"بڑی سیاسی جماعتوں نے بار ہا اپنی اس خواہش کا اعادہ کیا ہے کہ ہندوستان میں انتقالِ اقتدار جلد از جلد ہونا چاہئے۔ ان کی اس خواہش کا ہز میجسٹی کی حکومت پورا پورا احترام کرتی ہے۔ وہ اس بات پر بخوشی تیار ہے کہ جون 1948ء کی تاریخِ انتقالِ اقتدار سے قبل ہی کی کسی تاریخ کو آزاد ہندوستانی حکومت یا حکومتوں کا قیام عمل میں آ جائے۔ لہٰذا اس خواہش کی جلد از جلد اور قابلِ عمل تکمیل کے لیے ہز میجسٹی کی حکومت کا ارادہ ہے کہ وہ اسمبلی کے موجودہ اجلاس میں ہی اسی سال ڈومین ین سٹیٹس کی بنیاد پر ایک یا دو جانشین حکومتوں کو اقتدار منتقل کر دے جیسا کہ اس اعلان میں کہا گیا ہے۔"[43]

اچانک تبدیلی کی کوئی معقول توجیہ نہیں ملتی

یہ غیر متوقع، حواس گم کر دینے والی تبدیلی آخر کیوں ہوئی؟ دنیاوی وجوہ اگر کچھ تھیں تو وہ غیر مبہم اور غیر واضح تھیں۔ ہندوستان کے اس دور کے انتھک محقق سٹینلے والپرٹ نے تو قائداعظمؒ اور نہرو کی سوانح حیات میں اس کی کوئی وجہ تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ کچھ پاکستانی دانشوروں کا خیال ہے کہ وہ یہ وجہ جانتے ہیں: یعنی ہندو راہنماؤں اور ماؤنٹ بیٹن نے مل کر یہ سازش کی کہ تقسیم کی تاریخ کو اتنا قریب لے آیا جائے کہ مسلمان لیڈران اتنی اچانک ڈال دی جانے والی ذمہ داری سے عہدہ برا نہ ہو سکیں اور نئی مملکت کا انتظام کرنے میں ناکام ہو جائیں اور اسے متحد نہ رکھ سکیں۔ یہ نظریہ کچھ اتنا بے بنیاد نہ تھا لیکن مندرجہ بالا انقلابی تبدیلی لانے میں اس کا کوئی رول نہ تھا۔

پاکستان کے قیام کے خلاف برطانوی انتظامیہ، ہندو کانگرس اور سکھ لیڈران میں الگ الگ اور باہمی سازشانہ گٹھ جوڑ یقیناً تھا۔ انہوں نے مجوزہ پاکستانی مملکت کے بارے میں ہر پہلو کو نشانہ بنا رکھا تھا۔ اب تو دستاویزی ثبوت بھی میسر ہیں جو انکی سازشوں کو بے نقاب

کر چکے ہیں۔ مثال کے طور پر ریڈکلف کا باؤنڈری ایوارڈ میں دھاندلی کرنا اور ماؤنٹ بیٹن کا اس کے اعلان میں تاخیر کا حکم دینا، مہاراجہ کشمیر کے انڈیا سے الحاق کی جعلی دستاویز، مشرقی پنجاب میں سکھوں اور ہندوؤں کے منظم قاتل ٹولوں کے ہاتھوں لاکھوں مسلمانوں کا قتلِ عام، اور برطانوی انڈیا کے اثاثہ جات میں سے پاکستان کا حصہ نہ دیا جانا، وغیرہ۔

ہندوؤں، سکھوں اور انگریزوں نے یقیناً یہ خفیہ سازشیں کی تھیں کہ پاکستان کو قیام کے وقت ہی زک پہنچائی جائے--- اگرچہ ملک کے قیام کی تاریخ کچھ بھی ہو۔ چنانچہ 15 اگست 1947ء کو پاکستان کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی ان کی سازشی سکیمیں بروئے کار آ چکی تھیں۔ اگر یہ تقسیم یکم جون 1948ء کو ہوتی تب بھی انہوں نے اپنی تخریبی سکیموں پر عمل کرنا تھا۔ بلکہ زیادہ وقت ملنے سے انہیں اپنی سکیموں کو مزید مہلک بنانے اور زیادہ نقصان پہنچانے کا موقع فراہم ہو جاتا۔ وہ پاکستان کے اندر اپنا "ففتھ کالم" بھی تیار کر لیتے!

ہندوستان کی سیاست میں کانگرس اور برطانوی انتظامیہ کا ناپاک گٹھ جوڑ بہت عرصے سے چلا آ رہا تھا۔ ویول نے ہمیشہ ہندو راہنماؤں کو اپنے فیصلوں اور منصوبوں سے پیشگی آگاہ رکھا لیکن مسلمان راہنماؤں کو اندھیرے یا شک میں رکھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے بھی ایسا ہی کیا--- بلکہ زیادہ بے شرمی اور ڈھٹائی سے!

سردار پٹیل کا ایک مہرہ، وی پی مینن مشیر برائے آئینی اصلاحات کی حیثیت سے وائسرائے کے سٹاف میں شامل تھا۔ نہرو اور کرشنا مینن تو ماؤنٹ بیٹن کے قریبی رازدار اور مصاحب تھے۔ چنانچہ جہاں انتقالِ اقتدار کی پہلی پلان کانگرس اور مسلم لیگ دونوں کے اعلیٰ رہنماؤں کو دکھلائی گئی تھی وہاں ترمیم شدہ پلان جو ماؤنٹ بیٹن ہمراہ لے کر لندن گیا

وہ اس نے صرف نہرو کو دکھائی تھی۔ تاہم پہلی پلان کی جس گفت وشنید پر بنیاد رکھی گئی تھی وہ ماؤنٹ بیٹن کے وہ مذاکرات تھے جو ایک جانب نہرو اور اسکی ٹیم اور دوسری جانب قائداعظمؒ اور لیاقت علی خان کے ساتھ کئے گئے تھے۔[44] اس سارے عمل سے یہ بات عیاں تھی کہ انتقالِ اقتدار یکم جون 1948ء سے بہت پہلے وقوع پذیر ہونے والا ہے۔

یہ ترمیم شدہ پلان، جسے بعد میں '3 جون پلان' کہا گیا، کئی ایسے نکات رکھتی تھی (جن میں سے چند اس پہلے ڈرافٹ میں بھی شامل تھے) جن پر قائداعظمؒ کو شدید اختلافات تھے۔ لیکن آزادی کی تاریخ کو قریب لے آنے پر انہیں نہ تو کوئی اعتراض تھا اور نہ ہی حیرت!

اب ذرا اس تاریخ کی تبدیلی پر ایک دوسرے پہلو سے نظر ڈالیں۔ بات یہ ہے کہ تاریخ کو آگے لے آنے کے بارے میں مسٹر جناحؒ سے کوئی مشورہ نہیں کیا گیا تھا۔ اور نہ ہی بعض دوسرے اہم اختلافی امور کے بارے میں جنہیں اس پلان میں بعد ازاں شامل کیا گیا تھا۔ لیکن اگر برطانوی انتظامیہ محمد علی جناحؒ کو مارچ یا اپریل 1947ء میں آگاہ کرتی کہ تقسیم کی تاریخ جون 1948ء سے جون 1947ء کی جارہی ہے تو ان کا ردِعمل کیا ہوتا؟ کیا وہ یہ کہتے کہ ''ذرا ٹھہریئے تاکہ مسلم لیگ نئے ملک کو چلانے کی صلاحیت حاصل کرلے؟ یا کہ وہ انہیں یہ کہتے: کہ ٹھیک ہے آپ تاریخ آگے کرلیں۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے کہ مسلمانوں کی پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد جلد کامیابی سے ہمکنار ہوگئی؟ درحقیقت قائداعظمؒ اگر نہرو، پٹیل اور مینن سے زیادہ نہیں تو انہی کی طرح انتقالِ اقتدار جلد از جلد چاہتے تھے۔

چنانچہ اس صورت حال میں یہ دلیل کہ تقسیم کی تاریخ کو زیادہ قریب لے آنا اس مقصد سے تھا کہ مملکتِ پاکستان کو قائم ہوتے ہی زمیں بوس کر دیا جائے لاگو نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں غیر مستحکم کرنے والے عوامل کا ایک سیلاب بھی اس ریاست کو منہدم نہ کر سکتا تھا جس کی بنیاد ایک مصمّم ارادہ رکھنے والی قوم کی جدوجہد پر تھی اور جس کی راہنمائی ایک انتہائی موثر اور نابغۂ روزگار لیڈر کے ہاتھ میں تھی!

اگر اس اچانک تبدیلی کی کوئی وجہ ممکن ہے تو وہ حالات کا جبر ہی کہلا سکتی ہے۔ جبر اس طرح کہ ''ہندو کانگرس اور مسلم لیگ کے مابین سیاسی مفاہمت اور ایک متحدہ ہندوستان میں ان کی شرکت اقتدار بطور سیاسی حل کے ممکن ہو، اب خواب و خیال ہو چکا تھا۔ فرقہ وارانہ تشدد اور سماجی تصادم روز بروز بڑھ رہا تھا اور کسی قسم کا ہندو مسلم سمجھوتہ ناممکن نظر آتا تھا''۔

لیکن فوری تبدیلی کا تقاضا کرنے والی یہ صورت حالات کوئی نئی نہ تھی۔ یہ حالات ماؤنٹ بیٹن کے عہدہ سنبھالنے سے کئی ماہ پیشتر موجود تھے۔ ویول کو بھی ایسے ہی دشوار حالات اور دباؤ کا سامنا تھا۔ مگر اس کے ذہن میں انتقالِ اقتدار کی عجلت کا حل نہ ابھرا۔ لیکن ماؤنٹ بیٹن کے ذہن میں یہ خیال سما گیا۔ ہمیں اس نکتہ پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ ماؤنٹ بیٹن نے حالات کے جبر کو جس نے اسے اس فوری تبدیلی پہ مجبور کیا خود تسلیم کیا، گو ایک برطانوی مغرور امپریلسٹ (Imperialist) کے لب و لہجے میں۔ یہ اعتراف ماؤنٹ بیٹن نے 2 جون کو ہندوستان کے اہم سیاسی لیڈران کے اجلاس میں اپنی 3 جون کی پلان کو متعارف کرواتے ہوئے کیا۔ کیمبل جانسن بیان کرتا ہے:

''اس نے صاف الفاظ میں کہا کہ وہ ان کی مرضی کے خلاف (تبدیلیوں کی) رفتار تیز تر نہیں کر رہا تھا۔ فوری عمل کرنے کا زبردست دباؤ اس پہ ہر کسی کی طرف سے پڑا۔ جن فریقین سے

بھی گفتگو ہوئی انہوں نے موجودہ صورت حال کے خاتمہ پر زور دیا۔ لہٰذا انتقالِ اقتدار جس قدر بھی جلد ہو وہ سب کے لیے بہتر ہوگا۔"[45]

اس میں خاص نکتہ یہ ہے کہ جس طرح عین اس وقت ماؤنٹ بیٹن کا وائسرائے بننا اس کا مقدر ٹھہر چکا تھا۔ ویسے ہی یہ بھی اس کے مقدر میں تھا کہ اس کے ذہن میں حالات کے زبردست تقاضے سے نپٹنے کے لیے انتقالِ اقتدار کی فوری ضرورت اجاگر ہو۔

غیر مرئی دستِ غیب کی راہ نمائی

ہمیں اس بات کا بھی ادراک ہونا چاہیے کہ برطانیہ کے چوٹی کے سیاستدان، پالیسی ساز اور انتظامی ماہرین نہایت تجربہ کار، جہاندیدہ اور لائق لوگ تھے۔ وہ کلیدی قومی معاملات میں فیصلہ کر کے چند ہفتوں بعد فیصلے بدل دینے والے نہ تھے۔ لیکن اس معاملے میں انہوں نے بہت جلد فیصلہ بدل دیا، اور اپنے عمومی رویّہ سے بہت بڑے انحراف کا ارتکاب کیا! وجہ یہ تھی کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے۔ ان کے کنٹرول سے ماورا کسی طاقت نے ان کو یہ فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہی غیر مرئی دستِ غیب ماؤنٹ بیٹن کی تعیناتی کا بھی ذمہ دار تھا۔ وہی اسے بطور وائسرائے ہندوستان لایا اور اسی نے دوسری عالمی جنگ کا خاتمہ عین ایک مقررہ وقت پر کروایا!

ماؤنٹ بیٹن کو 1941ء میں جب کہ اس کا عہدہ بحریہ کے کیپٹن کا تھا ایک طیارہ بردار بحری جہاز (ایئر کرافٹ کیریئر) کا کمانڈنگ آفیسر تعینات کیا گیا تھا۔ *"اس نسبتاً ادنیٰ عہدہ سے اسے 1943ء میں جنوب مشرقی ایشیا میں اتحادی فوجوں کا سربراہ (سپریم الائیڈ کمانڈر) تعینات کر دیا گیا۔ جس پر اس کے کزن یعنی (برطانوی بادشاہ) پر اقربا پروری کا الزام لگایا*

گیا!" [46] اس اعلیٰ جنگی عہدہ کے لیے نہ ہی وہ مناسب رینک یعنی مرتبہ رکھتا تھا اور نہ ہی پیشہ ورانہ تجربہ! اس کی تعیناتی برطانوی بحریہ کی اعلیٰ روایات اور اسکے مضبوط ضابطوں کی دھجیاں اڑا دینے کے مترادف تھی لیکن یہ روکی نہ جاسکی! کیونکہ یہ منشائے ربانی تھی۔ دوسری عالمی جنگ کے خاتمے پر اس کا اس عہدہ پر ہونا اس کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔

یورپ میں دوسری عالمی جنگ 8 مئی 1945ء کو اس وقت اختتام پذیر ہوگئی تھی جب چار دن پہلے جرمن افواج نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ ایشیا کے محاذ پر جاپان شکست کے کنارے تو تھا لیکن جاپانی مزاحمت جاری تھی۔ آخرکار 10 اگست 1945ء کو اس نے بھی ہار مان لی۔ حکومت جاپان نے 14 اگست کو ہتھیار ڈال دینے کی شرائط قبول کر کے اپنے فیلڈ کمانڈروں کو تیز ترین ذرائع سے مطلع کر دیا۔ دوسری عالمی جنگ 15/14 اگست کی نصف شب کو اختتام پذیر ہوئی۔ یہ تاریخ دستِ غیب نے ماؤنٹ بیٹن کے حافظے پر کندہ کر دی!

☆☆☆☆☆

باب 4

انتقالِ اقتدار کی تاریخ کے بارے میں نا قابلِ فہم سکوت

آیئے ذرا ہم تقسیم ہند کی تاریخ کے پر اسرار معمے کی جانب لوٹیں کہ یہ کب اور کیسے طے ہوئی۔ تقسیم کی پلان سے متعلق جو حتمی اجلاس ہوئے اور جو اعلانات کیے گئے ان میں تاریخ کے بارے میں ایک عجیب وغریب خاموشی تھی۔ ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں یعنی مسٹر جناحؒ اور پنڈت نہرو اور دونوں کے نائبین اور سردار بلد یو سنگھ نے 2 جون کی میٹنگ میں ماؤنٹ بیٹن کو یہ سنسنی خیز اعلان کرتے سنا کہ برطانیہ انتقالِ اقتدار پر راضی تھا اور ہندوستان تقسیم ہونے والا تھا—— اور وہ بھی عنقریب! قدرتی امر ہے کہ انہیں یہ طلب ہوتی کہ اس تاریخ ساز واقعے کے لیے کون سی تاریخ طے کی گئی ہے! یہ اہم سوال کسی نے بھی ماؤنٹ بیٹن سے نہ کیا! یہ لوگ 3 جون کی صبح دوبارہ ماؤنٹ بیٹن سے ملے۔ تب تک یہ سب راہنما اپنے قریبی رفقاء سے بھی اس پلان کے بارے میں صلاح مشورہ کر چکے تھے۔ لیکن پھر بھی کسی نہ یہ انتہائی اہم اور ضروری سوال نہ اٹھایا کہ عنقریب ہونے والی تقسیم کس تاریخ کو ہوگی؟

3 جون کا برطانوی اعلان بڑی سمجھ بوجھ کے ساتھ اور تمام ضروری امور کو زیرِ نظر رکھ کے بنایا گیا تھا۔ اس میں تمام امور کی انجام دہی کے بارے میں تفصیلی ہدایات درج تھیں۔ تقسیم کے اس منصوبے کا منطقی مطالبہ تھا کہ اس کی اختتامی تاریخ طے کر دی جاتی۔ لیکن اس میں نہ تو کسی تاریخ کا ذکر تھا اور نہ ہی تاریخ کے تعین کے لیے کسی مجاز عہدہ دار کا!

یہ الگ بات تھی کہ لوگ وائسرائے سے تاریخ کے اعلان کی توقع کرتے تھے۔ لیکن اس وجہ سے تو یہ اور بھی ضروری تھا کہ ہندوستانی راہنما بلا تاخیر اُس سے تقسیم کی متوقع تاریخ بتلانے کا مطالبہ کرتے۔ اس بارے میں ان کی خاموشی کسی طرح بھی قابلِ فہم نہ تھی۔

اور یہاں ہمیں نہرو اور کرشنا مینن کی خاموشی کو الگ سیاق وسباق میں دیکھنا چاہیے! وہ ماؤنٹ بیٹن کی مونچھ کے بال تھے۔ اور وہ لگا تار ان سے رابطہ رکھتا تھا۔ اگر وہ اس سے انتقالِ اقتدار کی تاریخ کا سوال اٹھاتے تو یہ عین ممکن تھا کہ وہ ان کی مرضی کی تاریخ طے کرتا۔ یہ 2 جون سے پیشتر بھی روبہ عمل ہوسکتا تھا۔ تاریخ جیسے اہم امر کو وہ کس طرح نظر انداز کرسکتے تھے؟

یہ معّمہ مزید گھمبیر ہوجاتا ہے جب ہم اعلان 3 جون کے بارے میں وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کے نشریہ پر غور کرتے ہیں جو *"3 جون منصوبے"* کے ریڈیو پر پڑھے جانے سے پیشتر نشر ہوا! ماؤنٹ بیٹن نے اپنی تقریر میں منصوبے کی منطقی بنیاد اور انتقالِ اقتدار کے موٹے موٹے پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اس نے کہا *"مجھے امید ہے کہ یہ سب کچھ آئندہ چند ماہ میں ہوجائے گا۔ انتقالِ اقتدار اس تاریخ سے بھی کئی ماہ قبل ہوسکتا ہے جو ہم میں سے خوش فہم ترین لوگ سوچ سکتے ہیں!"* [47] لیکن اس نے انتقالِ اقتدار کی تاریخ کے بارے میں کچھ نہ کہا! حالانکہ یہی وہ موقع تھا کہ اسے تاریخ بتلانے کی ضرورت کا بھرپور احساس ہونا چاہیے تھا کیونکہ بعد میں نشر ہونے والے برطانوی منصوبہ میں اس کا ذکر غائب تھا۔

میں اس بات پر مکرّر زور دینا چاہتا ہوں کہ ہر پہلو پر غوروخوض یہ واضح کرتا ہے کہ اس متوقع اور جلد تقسیم کی تاریخ کے تعین کا سوال ہندو کانگریس، مسلم لیگ اور سکھوں کے چوٹی کے راہنماؤں کے ذہنوں میں اول ترین سوال ہونا چاہیے تھا۔ خصوصاً جب کہ برطانوی حکومت اور وائسرائے نے تقسیم بہت جلد ہوجانے کے بیانات جاری کئے تھے۔ اول الذکر یعنی برطانوی حکومت نے کہا تھا کہ: *"حکومت جون 1948ء کی متوقع تاریخ سے بہت پہلے انتقالِ اقتدار کے لیے راضی ہے۔ لہٰذا برطانوی حکومت کی تجویز ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے موجودہ اجلاس میں ہی اسی سال انتقالِ اقتدار کے لیے مسودہ قانون پیش کردے۔۔۔۔"*

اس سے یہ صاف ظاہر تھا کہ جون 1948ء کی ڈیڈ لائن اب مزید قابل عمل نہ تھی اور انتقالِ اقتدار 1947ء میں ہی ہونا طے تھا۔ ماؤنٹ بیٹن نے بھی صاف صاف کہا تھا کہ ''یہ کام اگلے چند ماہ کے اندر اندر ہی ہو جائے گا''۔ تب بھی کسی راہنما نے تاریخ کے بارے میں سوال نہ اٹھایا! انہوں نے اس قدر اہم معاملے کو نظر انداز کیوں کیا؟ میں نے یہ سوال قیامِ پاکستان کے موضوع پر علم و نظر رکھنے والے چند دانشوروں اور مستند ماہرین سے پوچھا۔ کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ حقیقت میں اس معمے کی کوئی دنیاوی وضاحت تھی ہی نہیں۔ معاملہ انسانی حواس کی گرفت سے ماورا تھا۔

یہ بالکل عیاں ہے کہ یکم، 2 اور 3 جون کے دوران سر پہ کھڑی تقسیم ہند کا سوال تمام برطانوی اور ہندوستانی حکام اور لیڈران کے ذہنوں سے محو تھا، حالانکہ یہی سب لوگ 3 جون کے انتقالِ اقتدار کے منصوبے کو حتمی شکل دینے، اس کا اعلان کروانے اور اس پر آئندہ عملدرآمد کروانے کے براہِ راست یا بالواسطہ ذمہ دار تھے۔ حتیٰ کہ یہ معاملہ ماؤنٹ بیٹن کے ذہن سے بھی محو تھا۔ اس کا ثبوت آگے چل کر آپ کو ماؤنٹ بیٹن کے اپنے الفاظ میں مل جائے گا۔

لیکن ایسا ہونا تو نہیں چاہیے تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ سب ہی مبہوت ہو گئے تھے۔ اور اس سوال پر سوچنے کی اہلیت سے عاری کر دیئے گئے تھے! اس کے علاوہ کوئی وضاحت نظر نہیں آتی۔ حقیقتاً ہو بہو ایسا ہی ہوا—— چاہے یہ بات قدرتِ الٰہی پر یقین نہ رکھنے والوں کو کیسی ہی ناقابلِ یقین کیوں نہ لگے! تقدیرِ الٰہی کی غیبی طاقتوں نے تاریخ تقسیم کا سوال ان کے ذہنوں سے محو کر دیا تھا۔ تقدیر نے اس سوال اور جواب کے لیے ایک خاص لمحہ مقرر کر رکھا تھا۔ وہ لمحہ 4 جون کو دہلی میں قانون ساز اسمبلی کے چیمبر میں ماؤنٹ بیٹن کی پریس کانفرنس کے اختتام پر آیا۔

مسحور کن حیرت انگیز ڈرامہ

آیئے! اس دلچسپ پریس کانفرنس کا منظر دیکھیں۔ اور پھر ماؤنٹ بیٹن کے اپنے الفاظ میں سنیں کہ انتقالِ اقتدار یعنی قیام پاکستان کی تاریخ طے کرنے کا مہا ڈرامہ کیا تھا۔ کتاب ''فریڈم ایٹ مڈنائٹ'' کے مصنفین رقمطراز ہیں:

''برطانوی سلطنتِ ہندوستان کی تاریخ میں یہ صرف دوسرا موقع تھا کہ ایک وائسرائے نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اور یہی آخری پریس کانفرنس بھی تھی۔ تین سو صحافی جن میں سوویٹ روس، چین اور یورپ کے صحافی ہندوستانی پریس کے نمائندوں کے ہمراہ موجود تھے۔ مختلف خطوں، مذاہب اور زبانوں کی صحافت کا میلہ لگا تھا۔ یہ سبھی غیر معمولی انہماک کے ساتھ وائسرائے کی یکطرفہ تقریر سننے میں مگن تھے۔

ماؤنٹ بیٹن نے تالیوں کے شور میں اپنی تقریر کا اختتام کیا اور حاضرین کو سوالات کرنے کی دعوت دی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ صحافی ایک ایسی شخصیت سے ملاقات کر رہے تھے جسے اس موضوع پہ سب کچھ معلوم تھا۔

سوالات کا سیلاب آخر میں ہلکی دھار بن کے ختم ہو رہا تھا۔ معاً ایک ہندوستانی صحافی کی آواز گونجی۔ اس کا سوال آخری تھا جس کا جواب مطلوب تھا۔ چھ ماہ پہلے ماؤنٹ بیٹن کو جو مشکل معمہ حل کرنے کا کام سونپا گیا تھا اس کو مکمل کرنے میں یہ آخری جوڑ تھا۔

''جناب والا!'' اس گمنام صحافی کی آواز ابھری۔ ''اگر سبھی انتہائی اشد ضرورت اور عجلت کے قائل ہیں جو آج اور انتقالِ اقتدار کے درمیان ہونی چاہیے تو یقیناً کوئی تاریخ آپ کے ذہن میں ہوگی؟''

ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا: ''جی ہاں! یقیناً''

سوال کنندہ نے اصرار جاری رکھتے ہوئے پوچھا! "جناب! اگر آپ نے کوئی تاریخ چن لی ہے تو پھر وہ کون سی تاریخ ہے؟"

یہ سوالات سن کر وائسرائے کے ذہن میں کئی حساب کتاب یکے بعد دیگرے دوڑنے لگے۔ درحقیقت اس نے اس وقت تک کوئی تاریخ نہیں چنی تھی! لیکن اسے یقین تھا کہ یہ کام بہت جلد ہو جانا چاہیے۔ بعد ازاں اس نے اس واقعہ کو دہراتے ہوئے بتایا: "مجھے (سیاسی حل کی طرف) رفتار کو تیز رکھنا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر اس معاملے کو بکھرنے سے بچانا ہے تو پارلیمنٹ کے تعطیلات گرما شروع کرنے سے پہلے مجھے بزوران سے یہ مسودہ قانون منظور کروانا ہوگا۔ ہم ایک آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھے تھے۔ ایک ایسے بم پر براجمان تھے جس کا فیوز متحرک کیا جا چکا تھا لیکن ہمیں یہ علم نہ تھا کہ یہ فیوز بم کو کب اڑائے گا۔"

اس نے اس کھچا کھچ بھرے ہال پر نظر دوڑائی۔ ہر کسی کی نگاہ اس پر مرکوز تھی۔ ہال میں بھرپور سناٹا تھا، جس میں صرف چھت کے پنکھوں کے لکڑی کے پروں کی سرسراہٹ مدخل ہو رہی تھی۔ بقول اس کی یادداشت کے: "میں نے یہ تہیہ کر رکھا تھا کہ میں اس سارے معاملے کا کلی مختار رہوں گا۔"

"جی ہاں! میں نے انتقالِ اقتدار کی تاریخ طے کر رکھی ہے"، ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا۔ جب وہ یہ الفاظ ادا کر رہا تھا تو مختلف تاریخیں اس کے ذہن میں ایک تیزی سے چکر کھاتے ہوئے رولے وہیل (Roulette-wheel) یعنی ایک گیند کی مانند گھوم رہی تھیں۔ اوائل ستمبر؟...... وسط ستمبر؟...... وسط اگست؟ یکدم یہ چکر ایک جھٹکے سے ٹھہر گیا۔ اور وہ گیند ایک ایسے خانے میں جا کے فٹ ہوگیا جو اس کے لیے مناسب ترین تھا۔ اور ماؤنٹ بیٹن نے فوراً فیصلہ کر لیا۔ یہ تاریخ وہ تھی جو اس کی زندگی کی ناقابلِ فراموش کامیابی کا سنگ میل تھی۔ یعنی جس روز جاپانی سلطنت نے غیر مشروط ہتھیار ڈالنا منظور کر کے اس کی برما کے جنگلات میں لڑی گئی طویل اور تاریخی جنگ کا اختتام کیا تھا۔ نئے جمہوری ایشیاء کی پیدائش کے لیے جاپان کے ہتھیار ڈالنے

کی دوسری برسی سے زیادہ موزوں تاریخ بھلا کون سی ہو سکتی تھی؟

برما کے جنگلات کے فاتح اور عنقریب ہندوستان کا آزادی دہندہ بننے والے کے جذبات سے رندھے ہوئے گلے سے یہ اعلان نکلا: "حتمی انتقالِ اقتدار 15 اگست 1947 کو ہندوستانی ہاتھوں میں سونپ دیا جائے گا!"[48]

کس قدر حیران کن، عقل گم کردینے والا ڈرامہ! یہ سب اللہ تعالیٰ کی غیر مرئی قوتوں کے ہاتھوں انتہائی چابکدستی سے سوچا، لکھا اور عمل میں لایا گیا۔ پھر جس دن اور جس ڈرامائی اور انتہائی سنسنی خیز انداز میں تاریخ کے طے کئے جانے کا اعلان ہوا وہ سب بھی قدرت کی طاقتوں کے منصوبے کے مسودہ کے عین مطابق تھا۔ تا کہ بعد میں آنے والی نسلیں اسے یاد رکھیں اور حیران ہوں۔

"اور اللہ ہی کے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے، اور اللہ زبردست، حکمت والا ہے۔"[49] **"......اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہ خود ہی، اور یہ تو ایک نصیحت ہے بنی آدم کے لئے۔"**[50]

برطانوی پارلیمنٹ میں بل کی ریکارڈ تیزی سے منظوری

ماؤنٹ بیٹن کا یہ اچانک اعلان کہ انتقالِ اقتدار 15 اگست کو عمل میں آئے گا لندن کے حکام کے لیے ایک دھماکے سے کم نہ تھا۔ "کسی کو بھی یہ شک نہ تھا کہ ماؤنٹ بیٹن اس قدر جلد برطانیہ کی ہندوستانی مہم کے ڈرامے کا ڈراپ سین کردے گا"۔[51] اس سے برطانوی حکام کی عجلت کو تیز مہمیز لگی۔ کیونکہ پارلیمنٹ کو اب ہر حال میں مطلوبہ مسودہ قانون اپنی تعطیلات گرما سے قبل منظور کرنا تھا۔[52] اسے 4 جولائی کو ہاؤس آف کامنز میں

پیش کیا گیا۔ اور یہ صرف دو ہفتوں میں پارلیمنٹ کے بحث مباحثہ سے گذر کر 18 جولائی 1947 کو بطور قانون منظور ہو گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ "ایسا قانون کبھی بھی اس سے پیشتر اتنی عجلت میں تیار اور منظور نہ ہوا تھا"۔[53] لیکن اس سے پیشتر کبھی ایسا موقع آیا بھی نہ ہوگا کہ اتنی عظیم طاقت کسی بل کی پشت پر ہو جیسا کہ اس بل کے کیس میں تھا۔

ہندو جوتشیوں کا 15 اگست کی تاریخ پر شدید واویلا

ماؤنٹ بیٹن کے تاریخ کا اعلان کرنے پر کانگرس کے چوٹی کے راہنما انگشت بدندان اور سکتے کی حالت میں تھے۔ وائسرائے کے ساتھ اتنا قریبی گٹھ جوڑ ہونے کے باوجود انہیں "ذرا بھر اشارہ بھی نہ ملا تھا کہ وہ اس قدر فیصلہ کن عجلت سے کام لے گا"۔[54]

لیکن ہندوستان کے با اثر جوتشیوں کی جانب سے اس اعلان شدہ تاریخ کے بارے میں پر زور احتجاج کیا گیا۔ "انہوں نے اعلانیہ کہا کہ 13 اور 15 اگست دونوں نحس ایام تھے"۔[55] ہندوستان کی اوّلین کابینہ میں نامزد وزیروں کا مطالبہ تھا کہ ان کی رسمِ حلف برداری 14 اگست کی نصف شب سے پہلے ادا کی جائے!

جہاں تک جوتشیوں کے احتجاج کی انوکھی داستان کا تعلق ہے تو اسے لیری کولنز (Larry Collins & Partner) اور اس کے ساتھی نے بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے:

"جونہی ریڈیو پر ماؤنٹ بیٹن کی طے شدہ تاریخ کا اعلان ہوا سارے ہندوستان کے جوتشی اپنی اپنی پوتھیاں کھول کر زائچہ بنانے بیٹھ گئے۔ بنارس کے مقدس شہر کے علاوہ جنوبی ہند کے کئی جوتشیوں نے فوراً ہی 15 اگست کو ہندوستان کے لیے اس قدر منحوس قرار دیا کہ "ہمیں انگریزوں کو مزید ایک دن برداشت کر لینا چاہیے بجائے اس کے کہ ہم ابدی پھٹکار کا خطرہ مول لیں!"

کلکتہ میں سوامی مدلما نند تاریخ کا اعلان سنتے ہی اپنے آسمانی کوشواروں/نقشوں پر پل پڑا۔ اس نے اپنا نوامنش (Navamansh) نکال لیا۔ یہ ایک بہت بڑا گول نقشہ ہے جس پر ہم مرکز دائروں میں سال کے دن اور مہینے، چاند اور سورج کی منزلیں، اور منطقہ البروج کے علاوہ ان ستائیس (27) ستاروں کی پوزیشن بھی درج تھی جو زمین کے مقدر پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کے عین مرکز میں دنیا کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس نے اپنے اس چارٹ پر سب دائروں کو گھما کر 15 اگست والی پوزیشن پر بٹھایا۔ پھر اس چارٹ کے بطن سے اس نے ہندوستان کے نقشے سے سلسلہ وار سطور کھینچیں جو اس چکر کے کناروں کی جانب جاتیں۔ یہ سب کر لینے کے بعد اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا! اس کے حساب کتاب سے تباہی کے نمایاں آثار نظر آ رہے تھے......!

14 اگست کی نصف شب سے لے کر 15 اگست کے تمام دن میں سیارہ جات زحل (Saturn)، مشتری (Jupiter) اور زہرہ (Venus) آسمان کے بدترین خطہ میں تھے — جو کرمستان (Karamstahn) کا نواں (9th) گھر تھا۔ اپنے ہزاروں دیگر ساتھیوں کی طرح یہ نوجوان جوتشی بھی اپنے چارٹ کی ظاہر کردہ ابتلائے عظیم کے سحر میں گم تھا۔ ''یہ کیا کر بیٹھے ہیں؟ یہ کیا کر بیٹھے ہیں؟ وہ آسمانوں سے مخاطب ہوا، جس کے رازوں کے بھید وہ انسانوں کے لیے کھولتا تھا......

اس نے کاغذ کا ایک پرزہ لیا اور اس شخصیت کے نام ایک فوری اپیل لکھی جو آسمانی آفت کو نادانستگی میں دعوت دینے کی ذمہ دار تھی۔ اس نے ماؤنٹ بیٹن کو لکھا:

''بھگوان کے لیے ہندوستان کو 15 اگست کے روز آزادی نہ دیں۔ اگر خشک سالی، قحط، سیلاب اور قتل و غارت کا دور دورہ ہوا تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ آزاد ہندوستان کا جنم اس دن ہوا جب اس کے ستارے اس کے لئے منحوس تھے''۔[56]

کرۂ ارض کا عظیم آفاقی نقشہ

یہ چیز ستارہ شناس گوروؤں کی دسترس سے ماورا تھی (ہوسکتا ہے کچھ کو اس کا بعد از اں احساس ہوگیا ہو) کہ تاریخ کا تعین تو ''کائناتی طاقتوں'' نے کیا تھا اور کوئی بھی اسے تبدیل کرنے پر قادر نہ تھا۔

یہاں سوامی مدامانند کا اپنے علم نجوم کے نقشوں پر توجہ مرکوز کرنا۔ جب کہ ہر دائرہ 15 اگست پر سیٹ تھا۔ اور اس کا اس تاریخ کے لیے نامبارک ہونے پر تشویش میں مبتلا ہونا اور اس میں تبدیلی کی خواہش کرنا، ہمارے ذہن میں ایک دوسرے مسحور کن نظارے کو ابھارتا ہے۔ افلاک میں دنیا کا ایک عظیم نقشہ جس پر منشاءِ ربانی کی پلان نقش ہے، کھلا ہوا ہے۔ اور اس پر تاریخ مقررہ یعنی 27 رمضان المبارک 1366 ھ بمطابق 15 اگست 1947ء ایک نقطے کے پاس لکھی ہوئی ہے اور اللہ کا ایک فرشتہ تمام معاملات کی بھاگ ڈور سنبھالے بتدریج ان سب کو اسی ایک نقطہ پر مرکوز کرنے کی طرف گامزن کر رہا ہے!

رَبّانی منصوبہ ـــــ ایک نظر میں

صرف اللہ تعالیٰ ہی کو برسوں پہلے یہ علم تھا کہ برِعظیم ہند میں سن 1366 ہجری میں 27 رمضان کی تاریخ جمعہ کے دن ہوگی اور شمسی کیلنڈر میں یہ تاریخ 15 اگست 1947ء ہوگی۔ اس نے پاکستان کا قیام اس تاریخ پر 'چنا'! ذرا غور کریں ـــــ یہ کیسے عمل میں آیا!

برطانوی وائسرائے نے اہم ترین مہرے کا کردار ادا کرنا تھا۔ اسکے لئے ماؤنٹ بیٹن کو چن کر اسے جنوب مشرقی ایشیا میں اتحادی فوجوں کا سپریم کمانڈر بنا کر بھجوایا گیا، حالانکہ وہ اس عہدے کا اہل نہیں تھا۔ جاپان سے 14 اگست 1945ء کو ہتھیار ڈلوائے گئے ـــــ نہ ایک دن پہلے نہ ایک دن بعد اور دوسری عالمی جنگ کا اختتام اور جاپانی فوجوں سے ہتھیار ڈلوانا عین 15 اگست کو کروایا۔ ماؤنٹ بیٹن کے ذہن میں یہ پروگرام نقش کر دیا گیا کہ آئندہ ایک خاص موقع پر یہی تاریخ اسے یاد آئے! ایٹلی کی حکومت کو مجبور کیا گیا کہ وہ فروری 1947ء میں ایک بڑا پالیسی ساز قدم اٹھائے اور اعلان کرے کہ برطانیہ یکم جون 1948ء تک ہندوستان چھوڑ کر انتقالِ اقتدار کر دے گا۔ پھر مارچ 1947ء میں ویول کو تبدیل کر کے ماؤنٹ بیٹن کو اس کے تذبذب کے باوجود دہلی میں بطور وائسرائے تعینات کیا گیا اور ہندوستانی راہنماؤں کے ساتھ گفت و شنید کے ادوار کے دوران اس کے

دل میں یہ خیال بھرا گیا کہ ہندوستان کو جلد از جلد تقسیم کردینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ برطانوی حکومت کو اپنی اعلان شدہ پالیسی کو تبدیل کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس سے ماؤنٹ بیٹن کا انتقالِ اقتدار جلد کرنے کا فیصلہ منوایا گیا۔ لیکن تاریخ طے کرنا اسے اور برطانوی حکام کو بھلا دیا گیا۔ وائسرائے نے نئی پلان کی بابت ہندوستانی راہنماؤں کو 2 اور 3 جون کو بریفنگ دی۔ لیکن تاریخ کا معاملہ جو یوں تو ہر ہندوستانی راہنما کے لیے بے حد اہم تھا تمام متعلقہ حکام بمعہ ماؤنٹ بیٹن، ہر ایک کے ذہن سے اوجھل کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ وائسرائے کی پریس کانفرنس کا دن 4 جون آ گیا۔ اس موقع پر بھی اس انکشاف کا لمحہ کانفرنس کے عین اختتام کے قریب رکھا گیا۔ جب وہ لمحہ آیا تو ایک گمنام صحافی کو تاریخ کے بارے میں سوال کرنے پر اکسایا گیا۔ اور ماؤنٹ بیٹن نے جس کے ذہن کو اس لمحہ کے لیے پروگرام کیا جا چکا تھا یہ اعلان کر دیا کہ انتقالِ اقتدار کی تاریخ 15 اگست 1947ء ہو گی! یہی وہ تاریخ تھی جب پاکستان کو وجود میں آنا تھا۔

اللہ اکبر! کیا کوئی بھی باشعور انسان مملکتِ پاکستان کے اس شاندار طریقے سے رب کریم کی خود منتخب کی ہوئی نہایت مبارک ساعت اور لمحۂ خوش بختی کے وقت وجود میں آنے پر 'اللہ کے ہاتھ' کو نظر انداز کر سکتا ہے؟

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ

''بے شک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہتا ہے۔''[57]

☆☆☆☆☆

باب 5

ایک مشکل سوال کا جواب

اب ایک ایسے سوال کا سامنا کرنے کی ضرورت ہے جو کئی لوگوں کے ذہن میں ہوگا: اگر پاکستان مشیتِ ایزدی کے منصوبہ کے تحت وجود میں آیا تھا تو یہ 1971ء میں دو حصوں میں منقسم کیوں ہوگیا؟ سوال جائز ہے اور اس کا جواب بھی یوں ہی ہے اگر ہم قرآن مجید میں درج ہدایت و علم کو سامنے رکھیں۔ اس سوال کا بہر حال 1971ء کے بحران اور جنگ کے بعض بے حد اہم پہلوؤں سے تعلق ہے۔ ان کی وضاحت کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

اللہ کی سُنّت

ہر بات اللہ کے منصوبے کے احاطے میں طے پاتی ہے۔ اور اللہ کا طریقہ اس میں شامل ہے۔ دنیاوی زندگی تین مختلف دائروں کے اندر محیط ہے۔ ایک انسانی دائرہ ہے۔ دوسرا شیطانی اور تیسرا رحمانی! انسان اور شیطان دونوں کو عظیم آزادیٔ عمل میسر ہے۔ انسان اپنی زندگی کی تعمیر جس طرح چاہے کرسکتا ہے۔ شیطان کو یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ انسان کی زندگی کو مکمل طور پر تباہ کرسکتا ہے۔ ہمیں قرآن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چند امور مثلاً موت اور رزق کو کلّی طور پر اپنے اختیار میں رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ افراد اور اقوام کو وہ سب کچھ عطا کر دیتا ہے جس کی وہ خواہش کرتے اور اس کے لیے کام کرتے ہیں۔ وہ انہیں اپنی پسند کی راہ پر بڑھنے دیتا ہے۔ اگر وہ شیطان کی راہ پر گامزن ہوں اور رحمانی راستہ ترک کر بیٹھے ہوں تو وہ انہیں شیطان کے ہاتھوں تباہ ہونے سے نہیں روکتا۔

یہ بھی اس کی سنّت ہے کہ وہ افراد اور اقوام کو اس نکتہ نظر سے آزماتا رہتا ہے کہ وہ اپنی موجودہ اچھی یا بری حالت کے برقرار رکھے جانے کے مستحق ہیں یا نہیں۔ اور پھر انہیں مزید جزاء یا سزا دیتا ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں، چاہے ہمیں اس کی پوری سمجھ ہو یا نہ ہو کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ افراد اور اقوام کے معاملات میں براہِ راست دخیل ہوتا ہے اور یہ اکثر انہی کے مفاد میں ہوتا ہے۔

اللہ جب کسی قوم یا فرد پر کوئی عنایت فرماتا ہے تو یہ کوئی مستقل یا ابدی عنایت نہیں ہوتی۔ جس کو کوئی عنایت عطا کی گئی ہے اگر وہ اس کا استحقاق کھو بیٹھے یا اس کی حفاظت میں کوتاہی کرے تو اسے عنایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایک شدید بیمار شخص کی مثال لیں جو صحت کی خواہش رکھتا ہے۔ وہ تمام مفید علاج تلاش کر کے اختیار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ صحت یاب ہو جائے۔ اور وہ ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر وہ اپنی صحت کی حفاظت سے غافل ہو جاتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرنا بھول جاتا ہے۔ وہ یقیناً اپنی صحت کھو بیٹھے گا۔

آزمائش میں ناکامی کی سزا

برصغیر کے مسلمانوں نے پورے جوش سے ایک علیٰحدہ ریاست کا مطالبہ کیا جہاں اسلامی اقدار نافذ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی شکل میں انہیں ایک ریاست کا تحفہ عطا کیا۔ پاکستان کے لوگوں سے یہ امید تھی کہ اس میں قرآن وسُنّت پر مبنی نظام نافذ کریں گے اور دشمنوں کے عزائم اور ہر طرح کی مشکلات سے اس کی حفاظت کریں گے۔ پاکستان کے بانی قائدین کا یقیناً یہی ارادہ تھا لیکن قدرت نے انہیں کافی مہلت نہ دی۔ ان کے بعد جو حاکم بنے انہوں نے دونوں امور کو پس پشت ڈال دیا۔ جب حکامِ بالا لگا تار فاش غلطیاں کریں اور معاشرے کے ممتاز طبقے بے حس رہیں تو اس کا خمیازہ ساری قوم کو اجتماعی طور پر بھگتنا پڑتا ہے۔ اللہ نے پاکستان کو کڑی سزا دی۔ اور یہ ریاست دو نیم ہو گئی۔ ہمیں جانچا گیا اور ہم آزمائش پر پورے نہ اترے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف یہ کہہ دینے پر کہ ہم ایمان لائے انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور ان کو جانچا نہ جائے گا؟ ہم نے ان سے پہلوں کی بھی آزمائش کی تھی۔ اللہ یقیناً جانتا ہے کہ ان میں سے کون سچے اور کون جھوٹے ہیں۔"[58]

آفاتِ زمانہ میں فائدہ منداسباق

ربّانی منصوبے کا یہ ایک حصہ ہے کہ جب بھی کوئی فرد یا قوم کسی مصیبت سے دو چار ہوتی ہے، وہ چاہے آزمائش ہو یا سزا تو ایسے حالات اس فرد یا متعلقہ لوگوں کے لیے —— اور یقیناً ان کے ہمعصروں کے لیے بھی —— ایک موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ اس سے سبق حاصل کریں۔ اور اصلاحی اقدامات کریں۔ علاوہ ازیں اللہ رحیم و کریم کبھی کبھار کسی آفت سے بھی مفید اور سازگار حالات برآمد کرنے کا کام لے لیتا ہے۔ ایک بے لاگ مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ 1971ء میں دونوں حصوں کے جدا ہو جانے میں بھی ایسے ہی خیر کا پہلو ظاہر ہوا، گو ملک اور ملک کے دونوں حصوں کے عوام کا عظیم نقصان ہوا۔

سابقہ مشرقی پاکستان نے جس حد تک اپنی فوجی قوت کو بڑھایا ہے وہ شاید اس کی پچھلی حیثیت میں ممکن نہ ہوتا۔ یہ پاکستان کے لیے بھی ایک اثاثہ ہے۔ کیونکہ بنگلہ دیش اور پاکستان کے اصلی سیاسی اور فوجی مفادات یکساں نکات پر مرکوز ہوتے ہیں۔ مشرقی پاکستان میں ایک بہت بڑی اور فعال ہندو آبادی انڈین حکومت کے ہاتھ میں ایک بنا بنایا کارآمد ہتھیار تھی۔ اس مہلک ہتھیار کے ساتھ بڑی آسانی سے دوسرے ففتھ کالم (تخریبی عناصر) کو ملا کر ہندو انڈیا نے ہمیشہ پاکستان کے قومی مفادات اور پالیسیوں کو تخریب کا نشانہ بنایا۔ اس صورت حال کا تسلسل برقرار رہتا تو شاید پاکستان کا جوہری ہتھیاروں کا پروگرام اپنے اختتام کو نہ پہنچتا۔ علاوہ ازیں یہ صورتِ حال پاکستان کے لیے بحیثیت مجموعی انتہائی تباہ کن اور ناقابلِ تلافی نقصان کی باعث ہو سکتی تھی۔ ماضی میں مشرقی پاکستان کے لوگ اپنی ہندو آبادی کی تخریب کاری اور ملک دشمنی سے لاعلم تھے۔ کیونکہ ان کی شکایت اور ناراضگی کو مغربی پاکستان کی طرف موڑ دیا گیا تھا۔ ملک کے مغربی حصے سے محروم ہونے کے بعد ہی انہیں اس کا صحیح ادراک ہو۔ اور وہ ہندو آبادی کے فتنوں سے نپٹنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں کو یہ دھوکہ دیا گیا تھا کہ وہ ہندو انڈیا کے لوگوں کو اپنا دوست سمجھیں اور مغربی پاکستان کے لوگوں کو دشمن سمجھیں۔ مغربی پاکستان کھو دینے

کے بعد ان پر یہ کھلا کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی ۔

یہ بنگلہ دیشیوں کے سمجھنے کی بات ہے کہ اس تمام معاملے میں انہیں بہت بڑا دھوکہ دیا گیا ہے اور وہ بہت زیادہ خسارے اور گھاٹے میں رہے ہیں۔ انہیں پھسلایا گیا کہ وہ سیاسی آزادی —— جو پہلے ہی انہیں قیام پاکستان کے ساتھ مل چکی تھی —— حاصل کرنے کے لیے مغربی پاکستان سے علیحدہ ہو جائیں! وہ اپنے 3 لاکھ مربع میل سے زائد وسیع علاقے سے محروم ہوئے جو معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ 3 لاکھ مربع میل کا یہ رقبہ بنگلہ دیش کے رقبہ، یعنی 55,126 مربع میل جس میں اب وہ محدود ہیں، سے چھ گنا بڑا علاقہ ہے۔

المیہ مشرقی پاکستان سے سبق حاصل کرنا

جہاں تک اس المیہ سے سبق حاصل کرنے کے احساس کا تعلق ہے وہ ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس مہلک چوٹ سے ہماری قوم اور ارباب حکومت وسیاست اور اہل فکر نے کوئی حقیقی سبق حاصل نہیں کیا۔ ان میں سیاستدانوں کا اعلیٰ طبقہ، فوجی اور سول نوکر شاہی جو ملک کے معاملات چلاتے اور پالیسی وضع کرتے ہیں، میڈیا کے کارپردھان، مال و زر کے مالکان، مصنفین، اساتذہ، وکلاء وغیرہ جو عوامی ذہن کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں، شامل ہیں۔ اس ذمہ داری کو لازماً پورا کرنا پڑے گا۔ اس موضوع پر میں نے روزنامہ مسلم 16 دسمبر 1999ء کے شمارے میں ایک مضمون لکھا تھا، جو آج بھی غور طلب اور باعث عبرت ہے۔ اس کا ایک بڑا حصہ درجِ ذیل ہے۔

16 دسمبر تلافیء مافات کا تقاضا کرتا ھے

مشرقی پاکستان، جواب بنگلہ دیش ھے، آئندہ کبھی دوبارہ اپنے جدّی ملک میں شامل ھوسکتا ھے۔ دونوں بازووں کے عوام عفو اور درگذر کے لیے تیار ھیں۔ اس میں کسی کو شك نھیں كه انھیں ایك بین الاقوامی پلان شدہ خفیه منصوبے کا شکار بنایا گیا ھے۔ جس میں کئی مقامی ایجنٹوں کی خدمت بھی شامل تھیں۔ بنگله

دیش کے مسلمان عوام اب اس سے آگاہ ہوچکے ہیں کہ انہیں ان کے عوامی لیگی اور مکتی باھنی لیڈروں نے دھوکہ دیا۔ یعنی انہیں اپنے ہی ملک کے ایک بڑے حصہ سے دستبردار ہونے پر قائل کردیا۔ اور یوں وہ خود ہی اس علاقے اور اس کی دولت سے محروم ہوگئے۔

فوج کا ہتھیار ڈالنا البتہ ایک مختلف زخم اور صدمہ تھا۔ یہ تباہ کن تھا۔ بالکل غیر متوقع تھا۔ پاکستانیوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا! اور جس طرح یہ وقوع پذیر ہوا ---- یعنی دشمن سے پورا مقابلہ کئے بغیر ہی سنیئر فوجی اور بحری کمانڈروں کا بغیر کسی پشیمانی کے ہتھیار ڈالنا ---- اس نے زخموں پر مزید نمک چھڑکا۔ پاکستانی عوام نے جو غم و شر مساری محسوس کی وہ اس شرمناک واقعہ کا قدرتی نتیجہ تھی۔ ان سے بھی زیادہ فوجی جوانوں اور افسران نے اپنے چوٹی کے راھنماؤں کی دغا بازی پر طیش کھایا۔

اسلامی تعلیمات میں فوج کا ہتھیار ڈالنا تو کجا جنگ سے بھاگنا بھی واضح طور پر منع ھے۔ قرآن مجید میں ھے کہ:

"یقیناً اللہ ان سے محبت کرتا ھے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر اس طرح لڑتے ھیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی دیوار ھیں۔" (سورۃ الصف:4)۔

ایک دوسری جگہ حکم ھے۔

"اے ایمان والوں! جب تمھارا کفار سے جنگ میں سامنا ھو تو ھرگز پشت نہ دکھلانا۔ اگر کوئی اس دن ان کو پشت دکھائے گا ---- ماسواء اس کے یہ کوئی جنگی چال ھو یا پھر اپنے دستوں میں واپس جا ملنا چاھو تو وہ اللہ کے غضب کا سزا وار ھوگا اور اس کا ٹھکانہ جھنم ھے۔ اور کیسی بری پناہ گاہ ھے (یقیناً!)"۔ (سورۃ الانفال: 15-14)

سقوطِ ڈھاکہ نے انمٹ نقوش چھوڑے ھیں۔ انھیں بھلایا نھیں جا سکتا۔ انھیں فراموش کرنا بھی نھیں چاھیے۔ کیونکہ اس نے ھماری عزت کو داغدار کیا ھے۔ قومی وقار کی بحالی لازمی ھے۔ اس لیے لازم ھے کہ ھم 16 دسمبر کو یاد رکھیں لیکن صرف غم و مایوسی ھی سے نھیں! اسے بحالئ وقار کی خاطر یاد رکھنا چاھیے۔ اس دن ھمیں یہ عھد کرنا چاھیے کہ ھم بدلہ اتار کر حساب برابر کریں گے۔

دنیا میں آج کل صرف امریکہ اور اسرائیل کے لیے لفظ بدلہ کا استعمال جائز خیال کیاجاتا ہے۔ صرف انہیں ہی کہنے کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے نقصانات کا بدلہ لیں گے۔ اگر کسی مسلم ملک میں یہ لفظ استعمال کیا جائے تو مغرب کے "حقوق انسانی" کے دعویداروں کے لیے شعلے کی طرح بھڑک اٹھنے کا باعث بنتا ہے۔ لیکن مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں پر ھندو انڈیا کے مظالم اور فلسطینیوں پر اسرائیلی مظالم سے ان کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔

چاہے یہ کتنا ہی ناگوار اور غیر مقبول لفظ کیوں نہ ہو لیکن کسی ناانصافی کے ازالہ کے لیے بدلہ سے زیادہ مناسب لفظ نہیں جو اس جذبے کی حقیقی اور واضح ترجمانی کر سکے۔ خصوصاً جب کہ معاملہ عزت کی بحالی کا ہو۔ ہمیں اپنے قومی عزائم اور حربی حکمتِ عملی میں اس لفظ کو شامل رکھنا چاہیے۔

ایک غداروں کا ٹولہ، جسے پاکستان میں طاقتور عہدوں پر بٹھایا گیا تھا، ہتھیار ڈلوانے کے اس ناگہانی المیہ کا ذمہ دار ہے۔ غیر ملکی سازشیوں کے ساتھ مل کر یہ کام کیا گیا۔ قوم کو نہ تو ادراک تھانہ اس کی شمولیت تھی۔ تمام غداروں اور سازشیوں کو بے نقاب کردینے کے باوجود صورتِ حال وہی رہے گی۔ یہ داغ تو اسی دشمن کو جنگ میں شکست دے کر ہی دھویا جاسکتا ہے۔

پاکستان کے سول اور فوجی رہنماؤں کو یہ علم ہونا چاہیے کہ کوئی بھی قوم جس نے پوری طرح دشمن کا مقابلہ کئے بغیر بے غیرتی سے ہتھیار ڈال دیئے ہوں۔ وہ اپنی نظریاتی بنیادوں اور سماجی اور اخلاقی اقدار کو قائم نہیں رکھ سکتی، جب تک کہ وہ اس بے عزتی کا انتقام نہ لے لے! انہیں لازم ہے کہ وہ قوم کو انتقام لینے اور اپنی عزت اور وقار کو بحال کرنے کے لیے تیار کریں۔ آئیے ہم 16دسمبر کو ہر سال اپنی عزت کی بحالی کا عہد تازہ کریں۔ اس بات کے واضح آثار ہیں کہ اس دشمن کے ساتھ پنجہ آزمائی کا لمحہ دور نہیں۔ قدرت ہر قوم کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرتی ہے۔ وہ ضرور ہمیں یہ موقع فراہم کرے گی کہ ہم اس ہتھیار ڈالنے کے داغ کو دھو ڈالیں۔ اور اپنی وہ عزت دوبارہ حاصل کریں جو ایک بہادر اور جرأت مند قوم کو ملتی ہے۔ اور جس کے ہم صحیح طور پر حقدار ہیں۔ ہمیں وہ موقع ہرگز ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

باب 6

عالمی صیہونیت/اسرائیل کی نظر میں پاکستان اوّلین ہدف ہے

زائنسٹ انٹرنیشنل جیوری (زنجری) یعنی عالمی صہیونی ٹولی جو صیہونی ریاست اسرائیل کی بانی اور آج بھی اس کی فیصلہ ساز قوت ہے، ورلڈ زائنسٹ آرگنائزیشن (ڈبلیو، زیڈ، او) کی آڑ میں کام کرتی ہے۔ اس کا انکشاف پہلی بار اگست 1897 میں سوئٹز رلینڈ کے شہر باصل میں پہلی ''زائنسٹ ورلڈ کانفرنس'' میں کیا گیا تھا۔ یہ ایک دین-دشمن، لالچی، ظالم اور غاصب یہودیوں کا قدیم گروہ (order) ہے جو زائنزم (صیہونیت) کے مسلک کے پیروکار ہیں۔ بین الاقوامی سودخور ساہوکار ان کے لیڈر ہیں۔ صیہونیت اللہ تعالیٰ، الہامی مذہب، مقدس الہامی صحیفوں اور مذہبی تعلیمات پر مبنی اعلیٰ اخلاقی اور سماجی اقدار کی شدید مخالف ہے۔ عیسائیت اور دیگر فرقوں کے جو افراد صیہونیت کو بطورِ فلسفۂ زندگی اختیار کر لیتے ہیں انہیں بھی اسی جماعت میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ اور وہ جنٹائل یا کرسچین صیہونی Gentile/Christian Zionist کہلاتے ہیں۔

صیہونیت کے نظریہ اور مسلک کے اپنے اقدار اور نظریات اور طریقہ ہائے زندگی ہیں جو مذہبی مسالک کے عین برعکس ہیں۔ یہی قابل نفرین صیہونی سماجی مسلک ہے جس نے اپنی لادینیت، بے راہ روی اور غیر اخلاقی اقدار کے ساتھ مغربی دنیا بشمول روس میں اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔ جبکہ اس سے پہلے صدیوں تلک ان ممالک میں یہودیت اور مسیحیت کی مذہبی اقدار اور رسم و رواج کا دور دورہ تھا۔ صیہونی ریاست اسرائیل میں مذہب-دشمن صیہونی آرڈر سب سے زیادہ زور و شور کے ساتھ رائج ہے۔ یہودی قوم صیہونیت کا اوّلین ہدف تھی اور صیہونی ٹولی نے یہود کی ایک بڑی اکثریت کو مختلف حربوں اور پرتشدد چالوں سے عالمی صیہونیت کی اطاعت پر مجبور کر دیا۔

زائنسٹ جیوری (زنجری) نے وسیع ذرائع ہتھیا کر اور بین الاقوامی طاقت کے آلات وعناصر پر قبضہ جما کر مغرب پر اپنے صیہونیت نظریے کو کامیابی سے مسلط کر دیا اور اب ساری دنیا پر صیہونی نظریے اور طرزِ عمل کو نافذ کرنے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا ہے۔ اس کا مدعا ایک ایسی (ون ورلڈ گورنمنٹ) حکومت دنیائے واحدہ کا قیام ہے، جو صیہونی مسلک پر کاربند ہو۔ اور صیہونی ٹولی کے سیاسی اور اقتصادی کنٹرول میں ہو۔

اب زنجری کے عالمی تسلط کی راہ میں صرف ایک ہی بڑی رکاوٹ رہ گئی ہے۔ یہ اسلام کا نظریۂ زندگی اور قوت ایمان ہے جس میں یہ جبلّی صلاحیت موجود ہے کہ ایک طرف تو وہ صیہونیت کے خدا-مخالف نظریئے کی مزاحمت کر سکتا ہے اور دوسری طرف وہ کسی بھی بڑے یا درمیانے سائز کے مسلم ملک کو ایک عظیم طاقت کا روپ دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ اسلام کے سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی مسلک پر مکمل عملدر آمد کرنے کا راستہ چن لے۔ زنجری اپنے طاقت ور ذرائع ابلاغ اور ذرائع زر و دولت کے ساتھ اسرائیل کو اپنا سیاسی و جنگی زور بازو بنا کر انتہائی زور و شور سے دین اسلام اور مسلم ممالک، خصوصاً وہ جن میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ صیہونیت اور صیہونی ریاست کے طاقتور مدِّ مقابل بن سکیں، کے خلاف شدید تخریب کاری کرنے اور انہیں اپنے زیرِ اثر لانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ سمجھنے کے لیے کچھ زیادہ بصیرت درکار نہیں کہ 'زنجری' اور اسرائیل کیوں اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اپنا دشمن نمبر 1 گردانتے ہیں!

اگر چہ 1971ء میں متحدہ پاکستان کو توڑنے کی اسکیم بنانا اور عمل میں لانا 'زنجری' کا کارنامہ تھا۔ لیکن اس کی پوری ذمہ داری پاکستان کے لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ یہ فتنہ انگیز سکیم اگست 1947ء میں قیام پاکستان کے ساتھ ہی بنائی گئی تھی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، برطانیہ، اسرائیل، انڈیا اور سوویٹ یونین کے خفیہ اشتراک سے اسے روبہ عمل لایا

گیا۔ اس کی ہدایت کاری کے لیے وائٹ ہاؤس اور حکومتِ واشنگٹن کے علاوہ نیویارک میں یو۔این۔او کی سیکورٹی کونسل میں تمام کلیدی عہدوں پر بڑے بڑے صیہونی سازشیوں کو تعینات کیا گیا تھا۔

1967 کی عرب۔اسرائیل جنگ کے فوراً بعد اسرائیل کے پہلے وزیراعظم اور جنونی صیہونی ڈیوڈ بن گوریان نے عربوں پر فتح کے غرور اور نشہ میں پاکستان کو مٹانے کے لیے اس سکیم کا خاکہ دے دیا تھا۔ لندن کے ہفت روزہ ''دی جیوش کرانیکل'' نے اپنے اگست 1967 کے شمارے میں اسے یوں بیان کیا:

''عالمی صیہونیت تحریک کو ان خطرات سے غافل نہیں رہنا چاہیے جو اسے پاکستان سے لاحق ہیں اور اب اس کا اولین ہدف پاکستان ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ نظریاتی ریاست ہماری بقاء کے لیے ایک خطرہ ہے۔ سارے کا سارا پاکستان یہودیوں سے نفرت اور عربوں سے محبت کرتا ہے۔ عرب کے یہ عاشق ہمارے لیے خود عربوں سے بڑھ کر خطرناک ہیں۔ اس لیے عالمی صیہونیت کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اب پاکستان کے خلاف فوری اقدامات کرے۔ جزیرہ نما انڈیا کے باشندے ہندو ہیں جن کے دل ساری تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف نفرت سے بھرے ہوئے رہے ہیں۔ لہٰذا پاکستان کے خلاف اقدام کرنے کے لیے انڈیا ہمارا سب سے اہم اڈہ ہونا چاہیے۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اس اڈے سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور پاکستان پر حملے کر کے اسے ملیامیٹ کر دیں، جو یہودیوں اور صیہونیوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کے لیے ہمیں تمام خفیہ اور بہروپیہ ہتھکنڈوں سے کام لینا ہوگا''[59]

بن گوریان کی غرور بھری دھمکی صور بیداری تھی

کیا یہ غرور سے بھرپور صیہونی عزائم کا انکشاف قدرت کی جانب سے خطرے سے

آ گاہی کی صورت میں امداد نہ تھی؟ یہ ایک واضح اشارہ تھا پاکستانی قوم اور اس کے حاکموں کے لیے، کہ وہ غور و فکر کریں اور پاکستان کے خلاف مرکوز کئے گئے اس ہنگامہ خیز خطرے کو پہچان کر اس کا سدّ باب کریں۔

بن گوریان کے اس انتباہ نے قرآن کی اس بات کو سچا کر دکھایا جس میں مسلمانوں کو صیہونی یہودیوں اور مشرکین یعنی بت کی پوجا کرنے والوں (جو سب سے زیادہ ہندو ہی ہیں) سے خبردار رہنے کو کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اسلام اور اس کے پیروکاروں کے شدید ترین دشمن ہیں۔[60] یہودیوں کو نہ صرف اسلام اور مسلمانوں سے اپنی دشمنی سے آ گاہی ہے، بلکہ وہ ہندوؤں کے مسلمانوں سے نفرت اور عناد کی تاریخ سے بھی آ گاہ ہیں۔

اگر ذرا بھی احتیاط سے تحقیق کی جاتی تو 'زنجری' کی عالمگیر تنظیم، اس کے ناپاک عزائم، اس کا مغربی دنیا پر غلبہ، اسرائیلی ریاست کے اسلام۔مخالف اور پاکستان۔مخالف اقدامات اور ہندو انڈیا اور صیہونی اسرائیل کے درمیان فوجی و سیاسی گٹھ جوڑ کے مقاصد ہم پر عیاں ہو جاتے۔ تب پاکستان کے پالیسی ساز حکام اور دانشوروں کی آنکھیں کھل جاتیں۔ اور وہ اپنے ملک کے علاوہ دنیا بھر میں جاری و ساری ہنگامہ خیزیوں کے پس پردہ بھیانک عزائم سے بھی آ گاہ ہو جاتے۔ انہیں اس بات کا ادراک حاصل ہو جاتا کہ بانیٔ پاکستان نے ملک میں موجود ففتھ کالم ٹولے سے قوم کو کیوں خاص طور پر خبردار کیا تھا۔

قائداعظمؒ کا انتباہ

پاکستان ایک منفرد ملک اور خاص مشن کا حامل ہے۔ یہ اس کے قیام کے غیر معمولی حالات اور نیک ساعت کے شگون اور اسلامی نبیاد پر تعمیر کئے جانے ہی سے عیاں ہے۔ اس کے مشن کی جانب ایک مزید اشارہ 9 ماہ بعد اسرائیل کا قیام ہے، جس کی بنیاد صیہونیت

کے خدا ۔مخالف نظر یے پر استوار ہے، اور وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عین ضد اور اس کا دشمن ہے۔

قائداعظمؒ کو ان دونوں نکات سے آگاہی تھی، جو دنیا میں پاکستان کے مشن کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ ایک موقع پر انٹرنیشنل صیہونی جیوری (زنجری) کی جانب اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: *"فلسطین کے عربوں کے ساتھ عظیم ناانصافی کی جارہی ہے۔ برطانوی سامراجیت یہ سب صرف اس نیت سے کررہی ہے تاکہ وہ بین الاقوامی یہودیت کو راضی کرسکے جو ان کے خزانوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔"* [61]
انہیں پاکستان کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے مکمل آگاہی تھی۔ اسی لیے انہوں نے قوم کو خبردار کرتے ہوئے کہا تھا:

"بدقسمتی سے آپ کے درمیان ففتھ کالمسٹ موجود ہیں ——اور مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ وہ مسلمان ہیں—— جنہیں بیرونی سرمایہ دار اُکسا رہے ہیں۔ میں آپ کو خبردار کررہا ہوں کہ آپ ان ففتھ کالم لوگوں سے ہوشیار رہیں۔ یہ اشد ضروری ہے کہ پاکستان کی حکومت صحیح خطوط پر استوار ہو نہ کہ کسی سازشی ٹولے یا ففتھ کالمسٹوں کے ہاتھوں میں ہو—— ان کے ساتھ سختی اور بے رحمی سے نمٹا جائے گا"۔ [62]

لغت میں "ففتھ کالم" کا ترجمہ "غدار، جاسوس، ففتھ کالم کا ممبر، ہے —— جو ایک ایسی منظم پارٹی ہے جو ملک کے اندر ہو لیکن دشمن کے لیے کام کرے۔
قائداعظمؒ وکیل ہونے کے علاوہ اپنے الفاظ چننے میں بھی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اس معاملے میں بھی انہوں نے جو کہا بعینہٖ وہی ان کا مطلب تھا۔ ان کے انتباہ کا اُس

وقت بھی اور آج بھی انتہائی سنجیدگی سے جائزہ لیا جانا چاہیے تھا۔

ہمارے لاثانی سیاسی راہنما جناب قائداعظم محمد علی جناحؒ **11** ستمبر **1948** کو راہی ملکِ عدم ہوئے اور وزیراعظم لیاقت علی خان (پیدائش یکم اکتوبر **1895**) کو **16** اکتوبر **1951** کو سازش سے قتل کردیا گیا۔ سیاسی حالات ابتر ہوگئے۔ اگلے چند برسوں میں پاکستان اپنے متعدد مخلص اور قابل راہنماؤں سے محروم ہوگیا جن میں خواجہ ناظم دین (ولادت **19** جولائی **1894**ء - وفات **22** اکتوبر **1964**ء) سردار عبدالرب نشتر (ولادت **13** جون **1899**ء - وفات **14** فروری **1958**ء) اور حسین شہید سہروردی (ولادت **8** دسمبر **1893**ء - وفات **14** فروری **1958**ء) شامل تھے۔

ففتھ کالم اور مغربی طاقتوں کے مہروں کو افواجِ پاکستان اور سول سروس میں عروج نصیب ہوا۔ وزارتِ خارجہ اور وزارتِ مالیات میں بھی انہی کا راج تھا۔ ان دو وزارتوں میں تمام قومی پالیسیاں بنتی ہیں اور وہیں سے ان پر عملدرآمد کروایا جاتا ہے۔ ففتھ کالمسٹوں کو اپنے غیر ملکی آقاؤں کی امداد میّسر تھی۔ وہ ہمیشہ سے پاکستان کا مختلف طریقوں سے نقصان کرتے آئے ہیں۔ بعض اوقات وہ خود اور بعض اوقات اس ملک میں دیگر پروگرام شدہ کٹھ پتلیوں کے ساتھ مل کر ملک کو نقصان پہنچاتے رہے ہیں۔ اربابِ اختیار نے اس مہلک خطرہ کے بارے میں قائداعظمؒ کے انتباہ کو فراموش کردیا۔

گامزن جانبِ منزلِ مراد

ان سب منفی اور ملک دشمن عناصر کے باوجود قدرت کبھی کبھار ایسے مواقع پیدا کرتی رہی ہے کہ اندرونی تخریب کاروں کے لیے بھی یہ ممکن نہ رہا کہ وہ پاکستان کے اہم ترین مفادات کی ترقی کا راستہ روک سکیں۔ قدرت نے یہ بندوبست بھی کیا کہ قومی زندگی کے

ہر شعبے اور ادارے کے اعلیٰ اہلکاروں میں کچھ نہ کچھ حقیقی محبت وطن اور اعلیٰ قابلیت رکھنے والے پاکستانی افراد ہمہ وقت موجود رہیں۔ لہٰذا اس پر لادی گئی افتادوں سے زک اٹھانے اوران سے برسرِ پیکار رہنے کے باوجود یہ ملک کچھ قابل ذکر ترقی بھی کرتا رہا ہے۔ لیکن پاکستان اس طرح کام نہیں چلا سکتا۔ قوم کو پاکستان کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کا اصل چہرہ اوران کے عزائم کا علم ہونا بے حد ضروری ہے۔

ذرا بن گوریان کی ورلڈ زائنسٹ آرگنائزیشن (W.Z.O) یعنی عالمی صیہونی تنظیم کے نام زہریلی پکار پر غور کریں جس میں اس نے کہا کہ پاکستان کو تمام کھلے اور خفیہ ذرائع سے کچل دیا جائے، اوراس مقصد کے لیے خاص طور پر انڈیا۔اسرائیل پلیٹ فارم تشکیل دیا جائے۔ 1971ء کے دوران اسی پُر از کینہ پکار کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ہندو انڈیا، اسرائیل، برطانیہ، امریکہ اور سوویٹ یونین نے متحدہ طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے مل کر پاکستان کو دولخت کر دیا۔ اور اب وہ اس ملک پر ایک نئی افتاد ڈالنے کے منصوبے پر کام کررہے ہیں۔ پہلے تو وہ بغیر کسی مزاحمت کے کام کرتے رہے ہیں لیکن اب انہیں روکنا ہوگا۔ آثار یہی بتلا رہے ہیں کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ بصیرت بھری نگاہوں پر یہ آشکارا ہے کہ پاکستان سمیت تمام دوسرے عوامل جو مشیتِ ایزدی کے احاطے میں ہیں وہ اسی جانب رواں دواں ہیں۔ پاکستان جبلّی طور پر ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے لوگوں پر مشتمل ریاست ہے۔ قدرت نے اسے اوراس کے عوام کو مفید ترین ذرائع سے نوازا ہے۔ اور اس کے لوگ موجودہ مشکلات پر، جو زیادہ تر عالمی صیہونی ایجنٹوں کی منصوبہ سازی اور چالوں کی پیدا کردہ ہیں، قابو پانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور پختہ عزم کے بھی مالک ہیں۔

یہ بتانا بہت اہم ہے کہ پاکستان کے روائتی حریف اور دشمن یعنی ہندو انڈیا کو عالمی صیہونیت مصنوعی طور پر اور پروپیگنڈہ کے بل پر ایک علاقائی طاقت

(Regional Power) کا بہروپ دینے میں مصروف ہیں۔ کیونکہ اس بات سے عوامی جمہوریہ چین، عالمِ اسلام اور پاکستان کے خلاف صیہونی عزائم کی آبیاری مقصود ہے۔ صیہونی ہندوانڈیا کو پاکستان کے خلاف بطور آلۂ کار استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ انڈیا کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لائحۂ عمل پر بھی کام کر رہے ہیں کیونکہ انڈیا کے ٹکڑے کرنا عالمی صیہونی عزائم کا اہم حصہ ہے۔ ایک ہی بڑا دھچکا ہندوستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لیے کافی ہوگا۔ اس کا اندرونی ڈھانچہ جو شروع ہی سے بہت نازک رہا ہے اب یقینی اور مکمل شکست وریخت کی طرف لڑھک رہا ہے۔ انڈین یونین کسی بھی متحد رکھنے والی نظریاتی یا اخلاقی قوت سے قطعاً محروم ہے۔ اس کے ایک سیکولر ملک ہونے کے ڈھکوسلے کی دھجیاں ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں، سکھوں اور نیچی ذات کے باشندوں کے قتل عام اور نسل کشی نے بکھیر دی ہیں۔ یہ ظالمانہ کارروائیاں کانگرس اور دھرم پرست ہندوؤں دونوں کے دور حکومت میں ہوئیں۔ ہندوستان کے ان گنت گھمبیر مسائل: اخلاقیات، معاشرت اور انسانی حقوق کی بیخ کنی کرنے والا ذات پات کا نظام، ناقابل اصلاح نسلی، سماجی، مذہبی اور سیاسی پھوٹ اور نفرتیں، جارحانہ ہندو تعصب، پُرتشدد علیحدگی کی تحریکیں، ان چند اندرونی مسائل اور فتنوں میں سے ہیں جو ہندوانڈیا کا جزولاینفک ہیں۔ یہ لاعلاج امراض ہیں۔اور ہندوانڈیا کو ٹوٹ پھوٹ کی طرف دھکیل رہے ہیں۔

قیامِ مملکت پر عظیم ابتلاء سے گذرنا

جولوگ اپنے ذہن پر سوچنے کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتے یا پھر سادہ لوح ہیں وہ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر پاکستان مسلمانوں کے لیے عطیۂ خداوندی ہے تو اس کے قیام پر اس قدر خون خرابہ اور قتل وغارت کیوں ہوا؟ ہاں یہ سچ ہے۔ تقسیم کے وقت مسلمانوں کو بے پناہ مصائب اور مال وجان کے نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لیکن ہم یہ بھی پوچھ سکتے ہیں، کہ تخلیق کا عظیم ترین شاہکار یعنی ایک بچے کی پیدائش شدید تکلیف اور درد کے ساتھ کیوں

وابستہ ہے؟ دنیائے اسلام کی اولین ریاست کو اپنے قیام اور استحکام کے لیے سخت مصیبتوں اور خوں ریز جنگ وجدل سے کیوں گزرنا پڑا؟ اور اس کے بانی پیغمبر اسلام (ﷺ) اور ان کے پیروکاروں کو ریاستِ مدینہ کے قیام سے پیشتر اور بعد ازاں کئی برس تک بے انتہا مصائب اور تکالیف کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟

یہ خدائے بزرگ و برتر کا طریقۂ کار ہے اور مصلحت سے خالی نہیں! دانا لوگ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ درحقیقت ایسی ہر داستان میں بعض مخصوص معانی پنہاں ہوتے ہیں۔ اس کے المیوں اور تکالیف میں جو سبق پوشیدہ ہیں وہ ان میں سے گزرنے والے لوگوں اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہوتے ہیں۔ ان سے سبق سیکھنا اور یاد رکھنا چاہیے۔

پاکستانیوں کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ان سے بوقتِ تقسیم اس کی کس قدر بھاری قیمت وصول کی گئی تھی۔ ان سے امید تھی کہ وہ اپنے لوگوں پر ڈھائے گئے عظیم ظلم وستم کو کبھی بھی بھلا نہ پائیں گے۔ خاص طور پر جو ظلم عورتوں اور بچوں پر ڈھائے گئے۔ اور وہ یہ نہ بھولیں گے کہ ان کے ذمہ دار کون لوگ تھے؟ ان کو یہ سبق نہ بھولنا چاہیے کہ انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کے لیڈر کتنا ہی دکھاوے کا نفیس رویہ ظاہر کریں وہ اندرونی طور پر ہمیشہ مملکتِ پاکستان اور اس کے عوام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے ہیں۔ پاکستانی قوم کو ایک اور اہم ترین سبق بھی یاد رکھنا تھا، کہ یہ ہندو انڈیا کے دھرم کا حصہ ہے کہ وہ اس ملک کو فوجی طاقت اور دیگر ہر قسم کے فتنوں اور تخریبی کارروائیوں سے ختم کر کے ہی دم لیں گے۔ لہٰذا پاکستان کے لیے یہ لازم تھا کہ وہ اپنے مکار و متحارب دشمن کا سیاسی عزم و حکمت، فوجی طاقت اور مدبرانہ ڈپلومیسی سے پورا پورا مقابلہ کرتا رہے۔

قوموں کی تعمیر میں تاریخ کا نمایاں کردار ہوتا ہے۔ لوگ اپنی تاریخ پر فخر کرتے ہیں اور اسے پُرشکوہ بناتے ہیں۔ اور اپنی نئی نسلوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ وہ نہ صرف اپنی گذشتہ کامیابیوں پر فخر کریں بلکہ ناکامیوں اور شکستوں سے سبق بھی سیکھیں۔ اور جب وہ طاقت اور ناموری میں بلند ہوں تو یہ ہرگز نہ بھولیں کہ انہیں اپنی مملکت، اپنی آزادی اور عزت و سلامتی کیسے حاصل ہوئی —— جو کہ تقریباً ہر کیس میں ہمیشہ بے انتہا نقصانات اور قربانیوں ہی کا ثمر ہوتی ہے!

ہمیں ہر سال قیامِ پاکستان کے تاریخی ایام کے جذبات و واقعات کو چشم تصور سے دیکھنا چاہیے! اُن رنج و الم اور مسرت و جرأت کے ملے جلے جذبات کو یاد رکھنا چاہیے۔ ہمیں اپنے شہیدوں کو یاد رکھنا اور انہیں خراجِ تحسین پیش کرنا چاہیے۔ اور اس بات کا پختہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم کسی بھی خطرے کا سامنا کرتے وقت اپنے لوگوں کی عزت، زندگی اور مال واسباب کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔

تحفظِ پاکستان

ملک کے تحفظ کی ذمہ داری اور خطرات کا ادراک

پاکستان کے لوگوں پر عمومی حب الوطنی سے بڑھ کر بھی ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس ملک کی حفاظت اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ کریں۔ ہمارے بڑے اور دائمی دشمنوں کو جو پاکستان کے اپنے علاقائی یا عالمی عزائم کی راہ میں ایک رکاوٹ تصور کرتے ہیں۔ انہیں اس ملک کی منفرد اثر ورسوخ والی پوزیشن اور اس کی مخفی عظیم توانائی کا ادراک ہے۔ وہ اپنے حواریوں اور مہروں کے ساتھ مل کر مختلف سکیموں پر عمل کر رہے ہیں جن کا

مقصد ہمارے اندرونی اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے۔ وہ اس کے استحکام اور سالمیت کو تہس نہس کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے قیمتی اثاثہ جات بمع ذرائع رسل و رسائل پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں زہریلی نفرت و انتشار پھیلانا چاہتے ہیں۔ وہ اسی کے بعض لوگوں —— ففتھ کالمسٹوں —— کی خفیہ مدد سے اسے کئی مختلف طریقوں سے نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ وہ اسے ہندوانڈیا کا غلام بنا کر 'سارک' (SAARC) جیسی تنظیموں کے توسط سے اسے ساؤتھ ایشین فیڈریشن (South Asian Federation) میں دھکیل کر اس ملک کو اپنے الگ اور آزاد وجود سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔

ان سب سکیموں پر پہلے ہی سے عمل ہو رہا ہے۔ ان میں سے کچھ شاید اب بھی فریب کے پردہ میں چھپی ہوں۔ لیکن زیادہ تر سکیمیں اپنے مقاصد اور طریقہ عمل کے لحاظ سے بالکل واضح ہیں۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم چوکنا رہیں۔ یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہماری ملکی انتظامیہ کے اور دیگر تمام شعبہ ہائے زندگی کے راہنما اپنے آپ کو ان بڑے دشمنوں کی خصلتوں، ان کی سکیموں، طریقہ ہائے واردات اور مقاصد سے آگاہ رکھیں۔

اگر انہیں یہ آگاہی اور علم حاصل نہیں تو وہ دشمن کی چالوں کا مقابلہ اور توڑ نہ کر سکیں گے۔ بلکہ دشمن انہیں پھانس کر انہی کے ہاتھوں پاکستان کو نقصان پہنچا سکے گا۔ دشمن ہمارے کم علم بھٹکے ہوئے مذہبی جوشیلے نوجوانوں کو بطور دہشت گرد اور تخریب کار استعمال کر کے پاکستان کا بڑا نقصان کروا رہا ہے۔ یہ ماؤف ذہن (برین واش) گروہ چند مقامی گمراہ لوگوں کی مدد سے جو کچھ کر رہا ہے وہ اور بھی زیادہ قابلِ مذمت ہے، کیونکہ یہ گروہ معصوم انسانوں کی جانیں لے رہا ہے، قومی بجلی، گیس، ریلوے کی قیمتی سروسز اور تنصیبات کو تباہ کر رہا ہے، عام شہریوں کی زندگی میں تباہی و بربادی پھیلا رہا ہے۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر کر رہا ہے!

ہمارے لوگوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ ریاست یا عوام کو اس لیے نقصان پہنچانا کہ اس طرح حکومت وقت، یعنی جو پارٹی بھی حکومت کر رہی ہے، اس کو نقصان پہنچایا جائے، تو یہ اپنے پاؤں پر کلہاڑا چلانے والی بات ہے۔ یہی تو ہمارے دشمن ہم سے کروانا چاہتے ہیں۔

پالیسی کے معاملات اور اصولوں پر حکومت کی مخالفت کرنا ایک جائز عمل ہے لیکن اس کے لیے جائز طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ اسی سے بہترین نتائج بھی حاصل ہوتے ہیں۔ پاکستان اور پاکستانیوں کی حفاظت اور سلامتی کے لیے تو حزبِ مخالف گروپوں کو اپنے گروہی اختلافات نظر انداز کر کے اور حکومت کے ساتھ اپنی مخالفت کو ایک طرف رکھ کے، درحقیقت حکومت کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے۔ قومی سلامتی کے معاملات میں حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ حزبِ اختلاف کو اعتماد میں لے۔ کسی اہم معاملے پر شدید اختلاف کی صورت میں عامۃ الناس کی رائے دریافت کی جانی چاہیے۔

اسرائیل کو تسلیم نہ کرنا تحفظِ پاکستان کا تقاضا ہے

دشمنوں کے اسلحہ خانہ میں سب سے زیادہ خطرناک اسکیم یہ ہے کہ پاکستان سے بزور صیہونی ریاست اسرائیل کو تسلیم کروایا جائے۔ وہ بڑی چالاکی اور ظاہر و خفیہ طریقوں سے اس پر عمل پیرا ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ کامیابی ان کے قدم چومنے والی ہے۔ مسلمان ممالک کو یہ چکمہ دینے کیلئے تاکہ وہ اسے تسلیم کرلیں، اسرائیل ایک بہت بڑے فریب پر عمل کرنے کے لیے پابہ رکاب ہے۔ وہ کسی وقت یہ اعلان کردے گا کہ فلسطینی ریاست قائم ہو چکی ہے! یہ ایک بہت بڑا دھوکا ہوگا۔ کیونکہ یہ ''ریاست'' حقیقت میں اسرائیل کی حکومت کے ماتحت ایک مقامی ضلعی انتظامیہ ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسے موجودہ فلسطینی اتھارٹی ہے۔ یہ ''جعلی ریاست'' الگ الگ آپس میں ایک دوسرے سے دور چھوٹے چھوٹے علاقوں پر مشتمل ہوگی، جو اسرائیل کی بنائی ہوئی نام نہاد حفاظتی دیوار سے گھرے

ہوئے ہوں گے اور جن میں مقامات دخول وخروج اسرائیل کے کنٹرول میں ہوں گے۔ یہ کیفیت فلسطینی عوام کونہایت تکلیف دہ صورت حال سے دوچار کردے گی۔

اسرائیل نے اس بارے میں جو دیگر تفاصیل منظر عام پر آنے دی ہیں ان کے مطابق ساٹھ لاکھ (60,00,000) سے زائد بے گھر فلسطینی جو فلسطین سے باہر نا گفتہ بہ حالت میں پناہ گزین کیمپوں میں رہ رہے ہیں انہیں اس ''جعلی ریاست'' میں بھی واپس آنے کی اجازت نہ ہوگی۔ نہ صرف ان کی واپسی کا بلکہ یروشلم یعنی بیت المقدس اور مسجد اقصا پہ کنٹرول کا معاملہ بھی بالکل ٹھپ کردیا جائے گا۔

یہ کوئی راز نہیں کہ اسرائیل مسجدِ اقصیٰ کو منہدم کرنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ تاکہ وہ اس کی جگہ نام نہاد ہیکلِ سلیمانی تعمیر کر سکے۔ اور یہ کہ وہ اس وسیع علاقے پر اپنا قبضہ جمانے کی کوشش کر رہا ہے جسے وہ ''عظیم تر اسرائیل'' کا نام دیتا ہے۔ اسرائیل کو معلوم ہے کہ اگر پاکستان اور سعودی عرب اس صیہونی ریاست کو تسلیم کرلیں تو یہ اس کے حق میں انتہائی سودمند سیاسی، فوجی اور نفسیاتی فضا قائم کردے گا جو اس کے ناپاک عزائم اور سکیموں کے حق میں ایک بڑی مہمیز کا کام دے گی۔

اسرائیل نے چالاکی سے اپنی ریاستی سرحدوں کو غیر متعین رکھا ہوا ہے لیکن اس کی اپنی سرکاری دستاویزات میں ان سرحدوں کو ویسے ہی دکھلایا گیا ہے جیسے ''عظیم تر اسرائیل'' کی سرحدیں ہیں۔ یعنی اس میں لبنان۔شام۔ترکی۔عراق اور سعودی عرب کے حصے بشمول مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ شامل ہیں۔ وقت آنے پر اسرائیل یہ دعویٰ کرے گا کہ جن ممالک نے اسے تسلیم کیا ہے وہ اس کی قانونی یعنی وسیع تر اسرائیل کی سرحدوں کو بھی تسلیم کر چکے ہیں۔

پاکستان کو کبھی بھی اسرائیل کو تسلیم نہیں کرنا چاہیے۔ ایسے اقدام کے نتائج بھیانک ہوں گے۔ جو ہماری قومی زندگی کے سب پہلوؤں پر وار کریں گے۔ اور پاکستان کو نہ صرف اندرونی اور بیرونی طور پر انتہائی غیر محفوظ بنادیں گے بلکہ اس کے خلاف انڈیا۔اسرائیل گٹھ جوڑ کی مزید تقویت کا باعث بنیں گے۔ اس پر مزید کچھ کہنا لا حاصل ہے کیونکہ ہر عام فہم ذہن رکھنے والا پاکستانی ایسی صورت حالات میں پوشیدہ خطرات کا ادراک کر سکتا ہے۔

صیہونی اسرائیل کے بارے میں قرآنِ مجید کا فیصلہ

اسرائیل کو تسلیم نہ کرنے کے بارے میں مضبوط سیاسی دلائل موجود ہیں۔ بہر حال ایک ان سب سے بھی زیادہ طاقتور وجہ موجود ہے: قرآنِ مجید صیہونی ریاست اسرائیل کو تسلیم کرنے سے قطعاً منع کرتا ہے۔ یہ ریاست سراسر عالمی صیہونی تنظیم (ڈبلیو۔زیڈ۔او) اور دراصل زنجری کی کوششوں اور منصوبہ بندی سے وجود میں آئی ہے۔ **اسرائیل ایک اعلان شدہ صیہونی ریاست ہے۔ اسے صیہونیت اور عالمی صیہونی عزائم کے جھنڈ ابردار کی حیثیت حاصل ہے۔ ڈبلیو۔زیڈ۔او کا سربراہ کائم وائزمین اسرائیل کا اولین صدر بنا تھا اور اس کا نائب ڈیوڈ بن گوریان اس کا پہلا وزیر اعظم بنا۔** اللہ کا غضب اور لعنت انہی صیہونی یہودیوں پر نازل کیا گیا تھا۔ قرآن اور انجیل دونوں یہی بتلاتے ہیں۔ صیہونیت کا مختصر سا تعارف جو پہلے پیش کیا گیا ہے اس بات کو واضح کرتا ہے کہ انہیں یہ سزا کیوں ملی۔ قرآن میں تفصیل سے اس کا ذکر موجود ہے، کہ ان یہودیوں نے صیہونیت کو بطور نظریہ زندگی اختیار کر لیا اور اللہ سے کُلّی طور پر باغی ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً یہ انتباہ کیا ہے کہ وہ صیہونی یہودیوں اور صیہونی عیسائیوں کے گمراہ کن نظریات کی ہرگز پیروی نہ کریں۔[63] ان تمام ہدایات میں ایک انتباہ بہت سخت ہے:

''اے ایمان والو! (صیہونی) یہودیوں اور (صیہونی) عیسائیوں کو اپنا دوست اور سرپرست (محافظ) مت بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مرّبی ہیں۔ اور تم میں سے جو بھی ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت عطا نہیں کرتا!'' (سورة 5 آیت 51)[64]

بعض لوگ یہ ناقص دلیل پیش کرتے ہیں کہ اسرائیل کو تسلیم کرنا اور اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرنا دوستی اور حفاظت کے مترادف نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے جن چند مسلمانوں حاکموں نے اسرائیل سے تعلقات قائم کیے ہیں وہ خاص طور پر دوستی اور حفاظت کے نکتہ نظر سے ہی کیے ہیں ـــــ یعنی ان حاکموں کی اپنی حفاظت اور ان کے اپنے اقتدار کو قائم کرنے کیلئے! اور اگر دیگر حاکم بھی اس تباہ کن راستے پر گامزن ہوں گے تو ان کا مقصد بھی بعینہٖ یہی ہوگا۔ کسی بھی مسلم ملک نے اسرائیل کو تسلیم کر کے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا۔ اور نہ ہی آئندہ کسی ملک کو ایسا کرنے سے فائدہ ہوسکتا ہے۔ جن مسلم ریاستوں کے اسرائیل کے ساتھ روابط ہیں ان کے عوام اسرائیل سے بے حد برگشتہ اور ناراض ہیں اور اپنے حکمرانوں سے نالاں ہیں۔

اسرائیلی ان ریاستوں کے خلاف بھی اپنے زہریلے منصوبوں پر اسی طرح عمل پیرا رہتے ہیں جیسے دیگر مسلم ممالک کے خلاف۔ ہمیں تو یہ علم نہیں کہ مشیت ایزدی نے اسرائیل سے روابط رکھنے والے ان مسلم ممالک کے خلاف کیا سزا تجویز کر رکھی ہے۔ لیکن ان ممالک کے سیاسی، سماجی اور نفسیاتی تجزیہ سے یہ بالکل واضح ہے کہ وہ پارہ پارہ ہونے سے نہ بچ سکیں گے!

ہمیں یہ ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اسرائیل دنیا کی وہ واحد ریاست ہے جس کی بنیاد صیہونیت کے شیطانی نظریہ پر استوار ہے۔ یہ اللہ کے مغضوب باغیوں کی ریاست اپنے لیے یہ واجب سمجھتی ہے کہ وہ اسلام اور اس کے پیروکاروں کو ختم کر کے صیہونیت کو

تقویت اور توسیع دے۔ پاکستان ہدایت الٰہی سے سرتابی کی جرأت نہیں کرسکتا۔ ہمیں مندرجہ بالا آیت میں دی گئی وارننگ کا خصوصی پاس کرنا چاہیے، کہ جو صیہونیوں سے روابط قائم کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صیہونی شمار ہوں گے۔ اور اللہ ان کو ہدایت دینا بند کردے گا۔ وہ حد سے گذر جانے والے گناہگار شمار ہوں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسے لوگ اللہ کے غضب اور لعنت کے حقدار ہوں گے۔ ہمیں پورے خضوع وخشوع سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے انجام سے بچائے۔

☆☆☆☆☆

باب 7

یومِ آزادی 27 رمضان اور 15 اگست کو منایا جائے

مملکتِ پاکستان بروز جمعہ 15 اگست 1947ء کو معرضِ وجود میں آئی اور اسلامی تقویم سے اس دن 27 رمضان 1366ھ کی تاریخ تھی۔ یہ قیامِ پاکستان کی حقیقی، سرکاری اور قانونی تاریخ ہے۔ درحقیقت قیامِ ریاست کے کئی ماہ بعد تک 15 اگست ہی کو تاریخ آزادی کے طور پر یاد رکھا گیا۔ جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں قائداعظمؒ کی تقریر کے حوالے سے ظاہر ہے۔

بعد میں متعلقہ ریکارڈ کے مطابق 29 جون 1948ء کو کابینہ کے ایک اجلاس میں جو وزیراعظم لیاقت علی خان کی سربراہی میں ہوا یومِ آزادی 14 اگست کو منانے کا فیصلہ کیا گیا۔[65] اس فیصلے کی کیا وجوہات تھیں یہ معلوم نہیں۔

14 اگست کی صبح کراچی میں ایک تقریب منعقد کر کے برطانیہ کے بادشاہ جارج ششم کے اعلانِ آزادی کا وائسرائے کی جانب سے پڑھا جانا اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کو زمامِ اقتدار کا سونپا جانا دراصل وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کی سہولت کے لیے تھا۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں کی آزادی کی تقریبات ان کے اپنے اپنے دارالحکومتوں میں 15 اگست 1947ء کو منعقد ہونی تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن بہ یک وقت صرف ایک ہی جگہ پر موجود ہو سکتا تھا اور اس نے دہلی میں ہونا پسند کیا۔ لہٰذا وہ تقریباً ڈیڑھ دن قبل 13 اگست کی سہ پہر کو کراچی پہنچ گیا اور اپنے لیے 14 اگست کو یہ تقریب منعقد کرائی جہاں اس نے اعلانِ آزادی پڑھنا تھا۔ اس سے آزادی کی طے شدہ تاریخ اور گھڑی متاثر نہ ہوئی جو نصف شب کی ساعت تھی جب تاریخ 15 اگست ہونی تھی۔ اس تقریب کو 14 اگست کو یومِ آزادی منانے کا جواز نہیں مانا جا سکتا۔ اور نہ ہی اس دلیل میں کوئی منطق ہے کہ پاکستان کو اپنا یومِ آزادی 14 اگست کو منانا چاہیے کیونکہ ہندوستان اپنی آزادی کا دن 15 اگست کو مناتا ہے۔

14 اگست کو پاکستان کا یومِ آزادی قرار دینا حقائق کے منافی اور ہماری قومی تاریخ کو

مسخ کرنا ہے۔ اسے درست کرنے میں مزید تاخیر نہیں ہونی چاہیے۔ 14 اگست کو قائداعظمؒ پاکستان کے نامزد گورنر جنرل تھے۔ انہوں نے اپنے عہدہ کا حلف 15 اگست کو اٹھایا اور گورنر جنرل بنے۔ ملک کی پہلی کابینہ نے بھی 15 اگست کو حلف اٹھایا۔ برطانوی پارلیمنٹ کا ''آزادیٔ ہندوستان کا قانون'' مؤرخہ 18 جولائی 1947ء بھی 15 اگست کو ہند اور پاکستان کے قیام کا ''مقررہ یوم'' قرار دیتا ہے۔

لیکن 15 اگست کو ہمارا یومِ آزادی قرار دینے کے لیے کیا ہمیں مزید کسی دلیل کی ضرورت ہے؟ کیا ہمیں یہ بھول گیا کہ یہ تاریخ 'امرِ ربی' ہے۔ رَبِّ علیم وحکیم نے یہ تاریخ چنی کہ اس دن رمضان کا آخری جمعہ اور ستائیسویں شب تھی اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے بہت بڑی نعمت اور فضیلت ہے۔

ہم 27 رمضان کے ساتھ ساتھ 15 اگست کو بھی اپنا یوم آزادی منا سکتے ہیں کیونکہ ہمارا موجودہ وقت وتاریخ کا نظام شمسی کیلنڈر کے مطابق ہے۔ لیکن پاکستان کے شہریوں (وہ جہاں کہیں بھی ہوں) اور حکومت کو ہر سال 27 رمضان المبارک کو پاکستان کا اصلی یومِ آزادی منانا چاہیے۔ اسکی تقریبات ایک غروبِ آفتاب سے دوسرے غروبِ آفتاب تک ہونی چاہئیں کیونکہ قمری دن اسی لحاظ سے گنا جاتا ہے۔ پروگرام اس طرح بنا چاہیے کہ لوگوں کی خوشیوں کے عام اظہار کے علاوہ اللہ کی ثناء اور اس کی رحمتوں کے اظہارِ تشکر کے ساتھ ساتھ قوم اپنے اس مقدس عہد کا اعادہ کرے کہ وہ اپنے سپرد کیئے گئے مشن کو پورا کرے گی۔ اس پروگرام میں اجتماعی عبادت شامل ہونی چاہیے۔ جس کے لیے ایک مناسب دعا ترتیب دی جانی چاہیے! ستائیسویں شب کو 12 بجے سے چند ساعت پیشتر لوگ اپنے گھروں اور مساجد میں دو رکعت نماز نفل برائے شکرانہ ادا کریں۔ اور عین بارہ بجے شب تمام قوم اللہ تعالیٰ کے حضور اجتماعی دعا پیش کرے۔

ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب کی فضیلت

اسلامی تعلیمات کے مطابق رمضان کے مہینہ کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں

سے ایک شب نہایت ہی مبارک ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو اسے 27,25,23,21 اور 29 رمضان کی تاریخوں میں تلاش کرنے کی ہدایت ہے۔ بہر حال آنحضرت ﷺ کی بعض احادیث کی روشنی میں اجماعِ امت سے ستائیسویں شب کو یہ فضیلت دی جاتی ہے۔ گو غروب آفتاب سے آغازِ سحر تک ساری رات ہی برکت کی حامل ہے۔ لیکن نصف شب سے لے کر صبح صادق تک خصوصی برکت والا وقت شمار ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ایک پوری سورت اس بابرکت شب کے نام سے موسوم ہے۔ یعنی 'سورۃ القدر' جس کا مطلب 'قوت' یا 'تقدیر' ہے۔

''ہم نے یہ (قرآن) نازل فرمایا شبِ قدر میں اور تو کیا سمجھا کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح اس رات میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کے (سرانجام دینے کو)۔ وہ سلامتی (کی رات) ہے طلوعِ فجر تک۔''

اس ممتاز، مبارک اور روحانیت پرور رات کو پاکستان کا قیام بذاتِ خود اس ملک کو ایک عظیم اہمیت اور تقدیس عطا کرتا ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر مزید ایک اور بات بھی اس رات کو بے حد رفعت عطا کرتی ہے۔ اور تقویت اور فیضان کا منبع ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدخان آیات 1 سے 7 میں فرمایا ہے:

''قسم ہے اس کتاب واضح کی۔ ہم نے اسکو نازل فرمایا ایک مبارک رات میں بے شک ہم ڈرانے (آگاہی دینے) والے ہیں۔ اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ہر حکمت والا کام حکم ہو کر ہمارے پاس سے۔ بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔''

ان دونوں سورتوں کو دوبارہ پڑھیے اور غور کیجیے کہ کیا پیغام دیا جارہا ہے: اس شب ہر حکمت والی بات کا فیصلہ اللہ کے حکم سے کر دیا جاتا ہے۔ ذرا خلوصِ دل سے اس بات پر غور کریں اور اس کا مطلب ''اندرونی بصیرت'' سے سمجھنے کی کوشش کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ آپ کی سوچ میں ایک معجزانہ تبدیلی رونما ہوگی۔ پاکستان کے مرتبہ اور مشن کے بارے میں اور ملک و قوم کے ساتھ آپ کے اپنے رویہ اور برتاؤ میں بلکہ دیگر اقوام کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی، یہ سوچ آپ کو ایک تازہ آگاہی دے گی۔ اور

یہ سوچ آپ کی زندگی کو ایک عظیم مقصد عطا کرے گی۔

ایک امتیازی قوم

تمام پاکستانی —— اور اس میں سبھی شہری یعنی مسلم اور غیر مسلم شامل ہیں —— چاہے جہاں کہیں بھی ہوں، وہ اس ملک سے تعلق رکھتے ہیں جسے ربّ العزّت نے خود اپنی پسند سے ایک نہایت مبارک شب کو تخلیق کیا ہے۔

ہمیں خوش ہونا چاہیے اور اپنی قدر و منزلت کا احساس کرتے ہوئے ربِّ رحیم و کریم کے حضور اظہارِ عجز و تشکر سے سر جھکانا چاہیے۔ اپنے آپ اور اپنے پروردگار پر مضبوط ایمان رکھیں۔ اللہ کی نعمتوں اور بے پایاں عنایات کا شکر ادا کریں۔ اور اس نے جن عظیم کارناموں کی تکمیل کے لیے ہمیں چنا ہے اور جو ذمہ داری ہمارے سپرد کی ہے آپ اس پر پورا اترنے کی کوشش کریں۔

آپ ایک امتیازی قوم ہیں —— اس لیے نہیں کہ آپ اللہ کے پیارے ہیں کیونکہ وہ رتبہ آپ کو اپنے اعمال سے ہی حاصل ہوسکتا ہے —— بلکہ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مقدس مشن سونپا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ ہم اسے پورا کریں۔ اس مشن کے دو پہلو ہیں: اولاً، ایک حقیقی اسلامی ریاست قائم کرنا جو عصر حاضر کی تمام اقوام کے لیے ایک مثال اور ماڈل ہو۔ ثانیاً، خدا کی باغی، انسانیت کی دشمن، بدی کی قوتوں کے خلاف جنگ میں خیر کی قوتوں کی رہنمائی کرنا اور ان فتنوں کو مٹانا جو لوگوں پر برائی اور گمراہی زبردستی مسلّط کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں لادینیت، غربت اور دکھوں کی دلدل میں دھکیل رہے ہیں۔

دشمن کی طاقت سے ہرگز خوفزدہ نہ ہوں، کیونکہ ہم انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ احساس کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی توجہ فرما کر ایک خاص بابرکت اور پرشکوہ شب کو مملکتِ پاکستان کو صفحۂ ہستی پر قائم کیا اور اپنی اس تخلیق کی کھلی شہادت بھی عیاں کر دی، ہر پاکستانی فرد اور پوری قوم کیلئے بے پناہ توانائی اور ہمت کا منبع ثابت ہوسکتا ہے —— بشرطیکہ ہم اس احساس کا شعور پیدا کرلیں۔

حوالہ جات

1- پیغمبران عظیم رہنماؤں کی بہترین مثال ہیں۔ انہیں حکمت عطا کی گئی تھی جیسے کہ قرآن حکیم کی سورۃ 3 آیت 48، سورۃ 4 آیت 54، سورۃ 4 آیت 113 سے ظاہر ہے۔ قرآن میں (سورۃ 21 آیت 42) ایک قابل احترام شخصیت، حضرت لقمان کا بھی ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔

2- سٹینلے ولپرٹ، *جناح آف پاکستان*، ص VII

3- جناح: *تقاریر بطور گورنر جنرل*، ص 99

4- ربانی، ص 103

5- مسعود الحسن، ص 3۔ یہ پڑھنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ پروفیسر مسعود الحسن نے اسے کس طرح بیان کیا ہے: "میں 1930 میں لاہور آیا اور داتا گنج بخش کے روضہ کے پاس ہی رہائش اختیار کی۔ ان دنوں ڈاکٹر علامہ اقبال وہاں اکثر حاضری دیتے تھے۔ وہ علی الصباح نماز فجر سے قبل تشریف لاتے۔ میری اکثر ان سے درگاہ پر ملاقات ہوتی۔ انہوں نے مجھے اپنے لیے انگریزی زبان میں کچھ کام سونپا۔ میں نے ان کی کئی سیاسی تقاریر لکھنے میں مدد کی خصوصاً مشہور عالم خطبہ الٰہ آباد لکھنے میں بھی۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے مجھے بتایا کہ *'مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن کا خیال مجھے داتا گنج بخشؒ کے روضہ پر عبادت کے دوران آیا۔'*"

6- اقبالؒ، *بانگ درا*، لاہور، شیخ غلام علی پبلشرز، 1971، ص 267۔

7- اقبالؒ، *زبور عجم*، لاہور، شیخ مبارک علی تاجران کتب حصہ دوئم، نظم نمبر 57۔

8- ایضاً، حصہ دوئم، نظم نمبر 12۔

9- سید شریف الدین پیرزادہ، ص 149، علامہ اقبالؒ کا خط بنام قائداعظمؒ، مورخہ 28 مئی 1937۔

10- ایضاً، ص 150، خط مورخہ 21 جون 1937۔

11- شریف المجاہد، ص 429۔

12- Quaid-i-Azam On Important Issues, ed. by Mohammad Haneef Shaid. Lahore, Sang-e-Meel, 1976.P.12, with reference to the

Estern Timeo, August. 14,1947. Page 6.

13- جمیل الدین احمد، جلد اول ص242۔

14- جناح: تقاریر، ص30۔ یونیورسٹی سٹیڈیم لاہور میں تقریر مورخہ 30 اکتوبر 1947۔

15- ایضاً۔

16- ایضاً۔

17- جناح: تقاریر، ص 112 اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء سے خطاب 12 اپریل 1948۔

18- جناح: تقاریر بطور گورنر جنرل، ص 152۔

19- حبیب اللہ، ص59۔

20- ایضاً، ص59۔

21- ایضاً، ص60۔

22- ایضاً، ص69۔

23- ربانی، ص 113۔

24- آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی سے دہلی میں 22 اکتوبر 1939 کو خطاب ---- روزنامہ ''انقلاب'' سے اردو میں ترجمہ کیا گیا۔25 اکتوبر 1939 کو یہ خبر 22 اکتوبر 1939 کی ڈیٹ لائین کے حوالے سے آخری صفحہ کالم نمبر 1 پر شائع ہوئی۔ اسے منشی عبدالرحمٰن خان نے بھی (صفحہ 197) پر درج کیا ہے۔

25- روزنامہ ''نیشن''، بدھ 9فروری 2005، ص3۔

26- ماؤنٹ بیٹن اینڈ انڈی پینڈنٹ انڈیا، (''ماؤنٹ بیٹن اور آزاد ہندوستان'') ص 37۔

27- والپرٹ، جناح آف پاکستان، ص 304۔

28- کے۔علی، ص 279۔

29- والپرٹ، نہرو، ص 377۔ ''ویول اس چوٹی کی میٹنگ کے لیے بذریعہ طیارہ لندن گیا (جو لارڈ اٹیلی، وزیر اعظم برطانیہ، نے دسمبر 1946 کے اوائل میں طلب کی تھی) جو اس کے لیے آخری ثابت ہوئی۔ اسے تب بھی یہ آگاہی نہ تھی کہ اسے اس اعلیٰ عہدہ سے ہٹایا جا رہا تھا''۔

30- والپرٹ، جناح آف پاکستان، ص 304

31- ایلین کیمبل جانسن، ص 17۔
32- ایضاً، ص 18۔
33- والپرٹ، *جناح آف پاکستان*، ص 306۔
34- ایضاً، ص 308۔
35- کیمبل جانسن، ص 98
36- والپرٹ، *جناح آف پاکستان*، ص 312۔
37- ایضاً، ص 314۔
38- ایضاً۔
39- ایضاً، ص 317-321۔
40- کیمبل جانسن، ص 19۔
41- والپرٹ، *جناح آف پاکستان*، ص 312۔
42- *انتقال اقتدار- 1942-1947*، جلد 11 سیکشن 45، ص 89۔
43- ایضاً، ص 93۔
44- کیمبل جانسن ریکارڈ کرتا ہے: ''اب ماؤنٹ بیٹن کا ارادہ ہے کہ وہ یہ ترمیم شدہ پلان پہلے جناح اور پھر نہرو کو دکھلائے۔ وہ ان دونوں کے مابین، پٹیل اور لیاقت سے بھی آج (15 مئی 1947) ملاقات کر رہا ہے، ص 92۔
45- کیمبل جانسن، ص 99۔
46- *بریٹینکا: 1977* ---- مائیکروپیڈیا، جلد 7 ص 90۔
47- *انتقال اقتدار 1942-47*، جلد 10، آئیٹم 44، ص 88۔ 3 جون 1947 کو شام کے 7 بجے (ہندوستان کا معیاری وقت) ریئر ایڈمرل وائیکاؤنٹ ماؤنٹ بیٹن آف برما کے نشری خطاب کا متن۔
48- *فریڈم ایٹ مڈنائٹ*، ص 164-165۔
49- القرآن، سورۃ 48 آیت 7۔
50- القرآن، سورۃ 74 آیت 31۔
51- *فریڈم ایٹ مڈنائٹ*، ص 166۔
52- والپرٹ، *نہرو*، ص 400۔

53- فریڈم ایٹ مڈنائٹ ، ص 201۔

54- ایضاً، ص 166۔

55- والپرٹ، نہرو، ص 404۔

56- فریڈم ایٹ مڈنائٹ ، ص 167-166۔

57- القرآن، سورۃ 11 آیت 107۔

58- القرآن، سورۃ 29 آیات 2 اور 3۔

59- دی جیوش کرانکل، لندن، 9 اگست 1967۔

60- القرآن، سورۃ 5 آیت 82، ''تو ضرور پائے گا سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن یہود اور مشرکین کو۔ اور البتہ پائے گا سب لوگوں سے زیادہ قریب مسلمانوں کی محبت میں ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں......''

61- شیخ اور ریاض، ص 47۔

62- جناح: تقاریر، ص 86، 90، 41۔

63- قرآن مجید، سورۃ 5 آیت 49: ''اور تو حکم کرتا رہ ان میں اسی کے مطابق جو اللہ نے اتارا اور ان کی خواہشوں پر مت چل اور ان سے بچتا رہ کہ تجھ کو اس کتاب کے کسی حکم سے بھٹکا نہ دیں جو اللہ نے تجھ پر اتاری ہے۔ پھر اگر یہ کہا نہ مانیں تو جان لے کہ اللہ ہی کو منظور ہے کہ ان پر کوئی مصیبت ڈال دے ان کے بعض گناہوں کی سزا میں *۔ اور بے شک بہت سے لوگ البتہ نافرمان ہیں۔''

* مفسر قرآن علامہ محمد اسد نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ قرآن مجید کے احکامات سے دانستہ لاپرواہی اپنی سزا ساتھ لے کر آتی ہے۔ یعنی اس شکل میں کہ کمیونٹی کی اخلاقی اقدار بتدریج بدی میں ڈھل جاتی ہیں اور اس طرح معاشرتی بگاڑ اور باہمی تنازعے پیدا ہوجاتے ہیں۔''

64- قرآن مجید، سورۃ 5 آیت 51۔

65- یہ بات حکومت پاکستان کی کیبنٹ ڈویژن میں ڈائریکٹر نیشنل ڈوکومینٹیشن سینٹر نے اپنے خط ڈی او پی ٹی نمبر 16/2003-RC مورخہ 27 اگست 2005 میں لکھی۔ یہ خط راقم کے خط کے جواب میں تھا جس میں اس عنوان پر کچھ سوالات راقم نے کیبنٹ ڈویژن سے پوچھے تھے۔

کتابیات

Ahmad, Jamil-ud-din, ed. *Some Recent Speeches and Writings of Mr Jinnah*, 2 Vols, Lahore, Shaikh Muhammad Ashraf, 1952.

Al Mujahid, Sharif. *Quaid-i-Azam JINNAH: Studies in Interpretation*, Karachi, Quaid-i-Azam Academy, 1981.

Ali, Abdullah Yusuf. The Holy Qur'an-Translation and Commentary, Lahore, Shaikh Muhammad Ashraf, 1934.

Ali, K. *A New History of Indo-Pakistan-Since 1528*, Lahore, Aziz Publishers, 1984.

Asad, Muhammad. The Message of The Qur'an-Translated and Explained, Gibraltar, Dar al-Andalus, 1980.

Campbell-Johnson, Alan. *Mission With Mountbatten*, London, Robert Hale Limited, 1951.

Collins, Larry and Dominique Lapierre. *Freedom at Midnight,* Delhi, Vikas Publishing House, 1976.

--. *Mountbatten and Independent India*, Delhi, Vikas Publishing House, 1985.

Habibullah, Malik. *Quaid-e-Azam Ki Shakhsyyat Ka Ruhani Pehlu* (The Spiritual Aspect of Quaid-e-Azam's Personality), Lahore, Gohar Sons, 1998.

Jinnah, Quaid-e-Azam Mohammad Ali: Speeches as Governor General of Pakistan 1947-1948. Rawalpindi, Ministry of Information & Broadcasting.

Khan, Munshi Abdul Rahman. *Hazrat Quaid-e-Azam ka Mazhab wa Aqeeda*, Multan, Karwan-e-Adab, 1986.

Majeed, Tariq. *The Global Game for a New World Order*, Lahore, Nadeem Book House, 1995.

-- *Alami Taghuti Khel Mein Makr-o-Fareb Ka Raj*, Lahore, AlFaisal Publishers, 1st edition December 2002, 2nd edition April 2003.

Mansergh, Nicholas and Penderel Moon, eds.*Constitutional Relations between Britain and India: THE TRANSFER OF POWER 1942-47, Vol XI, The Mountbatten Viceroyalty-Announcement and Reception of the 3 June Plan,* London, Her Majesty's Stationery Office, first published 1983.

Masud-ul-Hasan, Prof. *Hazrat Data Gunj Bakhsh --- A Spiritual Biography*, Lahore, Data Gunj Bakhsh Academy.

Pirzada, Syed Sharifuddin, ed. *Quaid's Correspondence*, Rawalpindi, Services Book Club, 1987.

Rabbani, Mian Ata. *I Was The Quaid's Aide-de-Camp*, Karachi, Oxford University Press, 1996.

Sheikh, Atique Zafar and Malik Muhammad Riaz, ed. *Quaid-e-Azam and the Muslim World- Selected Documents 1937-1948*, Karachi, Royal Book Company, 1990.

The New Encyclopedia Britannica (Micropedia and Macropedia), Chicago, Encyclopedia Britannica Inc, 1977.

Wolpert, Stanley. *Jinnah of Pakistan*, Oxford, Oxford University Press,1984.

--. *Nehru --- A Tryst with Destiny*, New York, Oxford University Press, 1996.